حمزہ جمیل 637

وفاق المدارس العربیہ کے درجہ موقوف علیہ کے

حل شدہ پرچہ جات کا مجموعہ

الجوابُ لِلموقوفِ علیہ

لِلبَنِین

لِحلِّ اَسئلۃِ الموقوفِ علیہ

حسب خواہش

اُستاذ العُلماء حضرت مولانا مُحمّد یسین شاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اُستاذُ الحدیث والتفسیر جامعہ خیرُ المدارس، مُلتان

مؤلف

مولوی اَبُو اُسامہ مُحمّد یامین رحمانی صاحب

مکتبہ زکریا

ملتان پاکستان

0300-6357913, 0313-6357913

۳۰۱	**الورقة السادسة فی الفقه (هدایه رابع)**
۳۰۲	**۱۴۳۱ھ**
۳۰۳	**ولاتسقط الشفعة بتاخير هذا الطلب** ،ترجمہ،طلب مواثبۃ،طلب اشہاد وتقریر اور طلب خصومۃ کا تعارف،طلب خصومۃ کی تاخیر سے شفعہ کے بطلان میں اختلاف مع الدلائل
۳۰۴	**واذا ادعى المشترى ثمنا وادعى البائع اقل منه** ،ترجمہ،ثمن کی مقدار میں بائع کے قول کی ترجیح اور مشتری کے قول کے ترک کی وجہ
۳۰۵	بائع کے مشتری سے زیادہ دعویٰ کی صورت میں بیع کے فسخ ہونے کی وجہ،قاضی کے فسخ کے بعد عقار کو بطورِ شفعہ لینے کا حکم
۳۰۶	**وان ترك الذابح التسمية عمدًا فالذبيحة ميتة** ،ترجمہ،متروک التسمیہ عامدًا کے حکم میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل،راجح کی ترجیح،عمداً بغیر تسمیہ چھوڑے گئے کتے وغیرہ کے شکار کے اکل کا حکم
۳۰۷	**ولايجوز الاكل والشرب والادهان** ،ترجمہ،سونا چاندی کے برتن کے استعمال کے عدم جواز کی وجہ،سونا وچاندی کے برتن کے استعمال میں عورت اور مرد کے درمیان فرق،قدوری اور جامع صغیر کی عبارت میں توفیق وتطبیق

الورقة السادسة

هدایہ رابع

مکتبہ زکریا ملتان

﴿الورقة السادسة : فی الفقه (ھدایہ رابع)﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل ...... ولاتسقط الشفعة بتاخیر هذا الطلب عند ابی حنیفة وهو روایة عن ابی یوسف وقال محمد ان ترکها شهرًا بعد الاشهاد بطلت ۔(ص ۳۹۶۔رحمانیہ)

ترجم العبارة ۔ عرّف کل واحد من طلب المواثبة وطلب الاشهاد والتقریر وطلب الخصومة ۔ بیّن الخلاف بین الأئمة فی المسئلة المذکورة مع الدلائل ۔ (اشرف الھدایہ ج ۱۳ ص ۴۲)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) طلبِ مواثبۃ ،طلبِ اشہاد وتقریر اور طلبِ خصومۃ کا تعارف (۳) طلبِ خصومۃ کی تاخیر سے شفعہ کے بطلان میں اختلاف مع الدلائل ۔

جواب ...... ❶ عبارت کا ترجمہ :۔ اور شفعہ اس طلب کو مؤخر کرنے کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ساقط نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی یہی ایک روایت ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر اس نے طلبِ خصومت کو طلبِ اشہاد کے بعد ایک مہینہ تک چھوڑ دیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا ۔

❷ **طلبِ مواثبۃ ،طلبِ اشہاد وتقریر اور طلبِ خصومۃ کا تعارف :۔**

طلبِ مواثبۃ : شفیع کا بیع عقار کا علم ہوتے ہی شفع کا طلبگار ہونا طلبِ مواثبۃ ہے ۔

طلبِ اشہاد وتقریر : شفیع کو بیع کا علم ہونے کے وقت طلبِ مواثبۃ کرنے کے بعد بائع پر جب مبیع اس کے پاس ہو یا مشتری پر یا عقار پر اس چیز کا گواہ بنانا کہ یہ عقار فروخت ہو چکی ہے اور مجھے اس پر شفعہ کا حق حاصل ہے لہٰذا تم گواہ رہو کہ میں اس پر شفع کروں گا ۔ یہ طلبِ اشہاد وتقریر کہلاتا ہے ۔ طلبِ خصومۃ : شفیع کا طلبِ مواثبۃ وطلبِ اشہاد کے بعد قاضی کے سامنے اس عقار کا بطور شفعہ لینے کا مطالبہ کرنا طلبِ خصومت یا طلبِ تملیک کہلاتا ہے ۔

❸ **طلبِ خصومۃ کی تاخیر سے شفعہ کے بطلان میں اختلاف مع الدلائل :۔** طلبِ مواثبۃ وطلبِ اشہاد کے بعد طلبِ خصومت میں بغیر عذر تاخیر کرنا شفعہ کیلئے مسقط ہے یا نہیں ؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے ۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تاخیر مطلقاً خواہ ایک ماہ ہو یا اس سے زائد ہو مسقط نہیں ہے ۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور امام محمد رحمہ اللہ وامام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک ایک ماہ پر مدار ہے یعنی اگر ایک ماہ یا اس سے زائد تاخیر کر دی تو وہ مسقط ہے ورنہ نہیں ۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ بغیر عذر کے مجلسِ قاضی سے اعراض مسقط ہے ۔

(**نوٹ** : یہ مکمل اختلاف اس صورت میں ہے جب شفیع نے بغیر عذر تاخیر کی اور اگر عذر کی وجہ سے تاخیر کی تو بالاتفاق شفعہ ساقط نہیں ہوگا)

امام محمد رحمہ اللہ وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر کبھی بھی طلبِ خصومت کی تاخیر سے شفعہ باطل نہ ہو تو اس میں مشتری کا ضرر ہے کیونکہ وہ کبھی بھی اس میں تصرف نہیں کر سکے گا ۔ اسلئے کہ اسکو یہ خوف دامن گیر رہے گا کہ شفیع میرے تصرف کو توڑ دے گا تو ضروری ہے کہ اس میں کچھ میعاد مقرر کر دی جائے چنانچہ ہم نے ایک ماہ کی میعاد مقرر کر دی کہ اس سے پہلے پہلے تاخیر مسقط نہیں اور ایک ماہ تک تاخیر مسقط ہے اسلئے کہ صاحبِ ہدایہ نے کتاب الایمان میں ایک ماہ سے کم مدت کو قلیل مدت اور ایک ماہ اور اس سے زیادہ کو کثیر مدت شمار کیا ہے ۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک اصول مسلمہ ہے کہ جب حق ثابت ہو جائے تو وہ پھر ختم نہیں ہوتا ۔ ہاں صاحبِ حق اسے ساقط کر دے تو اور بات ہے لیکن اسقاط توہمات سے نہیں ہوتا بلکہ صاحبِ حق کی زبانی صراحت ضروری ہے جب تمام حقوق

میں یہی اصول ہے تو حق شفعہ میں بھی یہی اصول جاری ہوگا لہٰذا طلب خصومۃ میں تاخیر سے حق شفعہ ساقط نہ ہوگا
امام محمد رحمہ اللہ کی دلیل یعنی مشتری کے ضرر کا جواب یہ ہے کہ اگر شفیع غائب ہو تو جب بھی اسے بیع کا علم ہوگا اسے حق شفعہ ملے گا حالانکہ یہاں بھی ضرر ہے تو جب شفیع کے سفر کی صورت میں یہ ضرر برداشت کیا گیا تو شفیع کے حضر کی صورت میں بھی اس کو برداشت کرنا چاہیے کیونکہ سفر حضر کے لحاظ سے مشتری کے حق میں کوئی فرق نہیں ہے۔

الشق الثانی ...... واذا ادعی المشتری ثمنا وادعی البائع اقل منه ولم یقبض الثمن اخذها الشفیع بما قال البائع وکان ذلك حطا عن المشتری ولوادعی البائع الاکثر یتحالفان ویترادان وایهمانکل ظهران الثمن مایقوله الاٰخر فیأخذها الشفیع بذلك وان حلفا یفسخ القاضی البیع علی ماعرف ویأخذها الشفیع بقول البائع ۔ (ص ۳۹۹۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ج۱۳ص ۵۶)

ترجم العبارة ۔ لماذا رجح فی الدعوی قول البائع وترك المشتری ۔ لماذا یفسخ البیع فیما اذا ادعی البائع اکثر مما قال المشتری ۔ هل بعد فسخ القاضی یجوز للشفیع ان یاخذ العقار بالشفعة ۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) ثمن کی مقدار میں بائع کے قول کی ترجیح اور مشتری کے قول کے ترک کی وجہ (۳) بائع کے مشتری سے زیادہ دعویٰ کی صورت میں بیع کے فسخ ہونے کی وجہ (۴) قاضی کے فسخ کے بعد عقار کو بطور شفعہ لینے کا حکم۔

جواب ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ اور جب مشتری نے ثمن کا دعویٰ کیا اور بائع نے اس سے کم کا دعویٰ کیا حالانکہ بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو شفیع اس مبیع کو اس مقدار سے لے گا جو بائع کہہ رہا ہے اور یہ مشتری کے اوپر سے کم کرنا ہوگا اور اگر بائع اکثر کا دعویٰ کرے تو دونوں قسم اٹھائیں اور عقد کو پھیرلیں اور ان دونوں میں سے جس نے قسم سے انکار کیا تو یہ بات ظاہر ہوگی کہ ثمن وہ ہے جس کو دوسرا کہہ رہا ہے تو شفیع اس مبیع کو اسی مقدار پر لے گا اور اگر دونوں نے قسم کھالی تو معروف طریقہ کے مطابق قاضی بیع کو فسخ کردے گا اور شفیع اس مکان کو بائع کے قول کے مطابق لے گا۔

❷ ثمن کی مقدار میں بائع کے قول کی ترجیح اور مشتری کے قول کے ترک کی وجہ:۔ ابھی تک بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا اور دارِ مشفوعہ و مبیع کے ثمن کی مقدار میں بائع و مشتری کا اختلاف ہوگیا بائع ایک ہزار اور مشتری دو ہزار ثمن بتلاتا ہے تو اس صورت میں بائع کا قول معتبر ہوگا اور مشتری کے قول کو ترک کردیا جائیگا۔

اس مسئلہ میں بائع کے قول کی ترجیح اور مشتری کے قول کے ترک کی دو وجہیں ہیں۔ ① اصول یہ ہے کہ جب بائع مبیع کے ثمن میں کچھ حط (گراوٹ و کمی) کرتا ہے تو یہ حط شفیع کے حق میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ صورتِ مذکورہ میں چونکہ بائع کم ثمن پر بیچنا بتلاتا ہے اور مشتری زیادہ ثمن تو یوں سمجھیں گے کہ بائع نے کچھ ثمن کم کردیئے ہیں اور یہ کمی شفیع کے حق میں بھی ظاہر ہوگی چنانچہ شفیع بائع کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے ثمن کی کم مقدار کے عوض دارِ مشفوعہ کو لے گا ② شفیع کو شفعہ کا حق ملنے کی وجہ اور سبب بائع کا ایجاب ہے یعنی بائع کے ایجاب کی وجہ سے شفیع کو حق تملک حاصل ہوا ہے لہٰذا جب تک بائع کا مطالبہ ثمن باقی ہے اس وقت تک اسی کا قول معتبر ہے۔

❸ بائع کے مشتری سے زیادہ دعویٰ کی صورت میں بیع کے فسخ ہونے کی وجہ:۔ دارِ مشفوعہ کے ثمن میں بائع و مشتری کا اختلاف ہوگیا کہ بائع زیادہ اور مشتری کم بتلاتا ہے اور مشتری نے ابھی تک مبیع پر قبضہ نہیں کیا تو اس صورت میں دونوں سے گواہ طلب کئے جائینگے اگر کسی کے پاس گواہ نہ ہوں تو پھر دونوں سے قسم لیکر بیع کو فسخ کردیا جائیگا۔ اسلئے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک مدعی

بھی ہے اور منکر بھی اور گواہ کسی کے پاس نہیں اور منازعت بھی کرنا ختم مقصود ہے لہٰذا **البینة علی المدعی والیمین علی من انکر** کے پیش نظر دونوں قسمیں اٹھائیں گے پھر جب دونوں قسم اٹھالیتے ہیں تو عقد فسخ کر دیا جائے گا تا کہ متعاقدین کے درمیان منازعت ختم ہو جائے اور یہ صورت قیاس کے موافق ہے اور اگر مبیع پر مشتری نے قبضہ کرلیا ہے تو اس صورت میں مشتری تو کسی چیز کا دعویٰ نہیں کر رہا البتہ بائع مشتری پر زیادتی ثمن کا دعویدار ہے اور مشتری اس کا منکر ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب مدعی یعنی بائع کے پاس گواہ نہیں ہیں اور ثمن پر بھی قبضہ نہیں کیا تو حدیث مذکور کی وجہ سے مشتری پر قسم آتی لیکن ایک دوسری نص سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دونوں قسمیں اٹھائیں اور عقد کو فسخ کر دیں۔ وہ حدیث یہ ہے **اذا اختلف المتبایعان والسلعة قائمة بعینها تحالفا وترادّا** لہٰذا اس حدیث کے پیشِ نظر قیاس کو چھوڑ کر اس حدیث پر عمل کریں گے۔

۴ قاضی کے فسخ کے بعد عقار کو بطورِ شفعہ لینے کا حکم:۔ بائع اور مشتری دونوں جب قسمیں اٹھالیں تو قاضی اس عقدِ بیع کو فسخ کردے گا اور یہ فسخ قاضی چونکہ بائع اور مشتری کے حق میں تو فسخِ عقد ہے لیکن شفیع کے لئے بیع جدید ہے۔ لہٰذا شفیع کو اس عقار پر شفعہ کا حق ہوگا البتہ بائع کا قول معتبر ہونے کی وجہ سے شفیع بائع کی بیان کردہ قیمت پر اس عقار کو لے گا۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاوّل ...... **وان ترک الذابح التسمیة عمدًا فالذبیحة میتة لاتوکل وان ترکها ناسیا اکل وقال الشافعیؒ اکل فی الوجهین.** (ص ۴۳۳۔رحمانیہ)

ترجم العبارة ترجمة کاشفة۔ بین الخلاف بین الائمة المتبوعین فی المسئلة المذکورة مع الدلائل وترجیح الراجح عند کم۔ ماذارایک فیمن ارسل کلبه او بازیه او رمی صیدا ولم یسم بل ترک التسمیة عمدًا هل الصید (المصید) یوکل ام لا؟ (اشرف الہدایہ ج ۱۳ ص ۲۰۷)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) متروک التسمیہ عامدًا کے حکم میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۳) راجح کی ترجیح (۴) عمدًا بغیر تسمیہ چھوڑے گئے کتے وغیرہ کے شکار کے اکل کا حکم۔

جواب ...... **۱ عبارت کا ترجمہ:۔** اور اگر ذابح نے عمدًا تسمیہ کو چھوڑ دیا تو ذبیحہ مردار ہے اسے نہیں کھایا جائے گا اور اگر تسمیہ بھول کر چھوڑ دیا تو کھایا جائے اور امام شافعی ﷫ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں کھایا جائے گا۔

۲ متروک التسمیہ عامدًا کے حکم میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ جانور کو ذبح کرتے وقت تسمیہ (بسم اللہ پڑھنا) چھوڑنے میں اختلاف ہے: احناف و مالکیہ کے نزدیک عمدًا بسم اللہ چھوڑنے سے ذبیحہ اور شکار حلال نہ ہوگا البتہ اگر نسیانًا تسمیہ ترک ہوگیا تو ذبیحہ اور شکار حلال ہوگا۔ امام احمد ﷫ کا یہی مذہب ہے البتہ شکار میں عمد و نسیان دونوں حالتوں میں تسمیہ شرط ہے۔

امام شافعی ﷫ کے نزدیک ذبیحہ اور شکار دونوں پر تسمیہ مسنون ہے۔ واجب نہیں ہے لہٰذا ترکِ تسمیہ کی وجہ سے شکار اور ذبیحہ حرام نہ ہوگا۔ البتہ اگر تسمیہ کو غیر اہم سمجھ کر چھوڑ دیا یا ترکِ تسمیہ کا معمول بنالیا تو پھر ان کے نزدیک بھی ذبیحہ حرام ہے۔

جمہور کی پہلی دلیل: آیتِ کریمہ **ولاتاکلوا ممّا لم یذکر اسم اللّٰه علیه** ہے۔

دوسری دلیل: آیت کریمہ **واذکروا اسم اللّٰه علیه** ہے۔ تیسری دلیل: حضرت ابو ثعلبہ ﷜ کی روایت ہے **وماصدت بقوسک فذکرت اسم اللّٰه فکل وماصدت بکلبک المعلم فذکرت اسم اللّٰه فکل** ۔ اور ترکِ تسمیہ نسیانًا میں ان احادیث کی وجہ سے ذبیحہ حرام نہ ہوگا **ذبیحه المسلم حلال سمی اولم یسم مالم یتعمد والصید کذلک** نیز

المسلم یکفیه اسمه فان نسی ان یسمی حین یذبح فلیسم ولیذکر اسم الله علیه ثم لیأکل۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل: آیت کریمہ حرمت علیکم المیتة الخ الا ماذکیتم ہے اس میں تذکیہ کا ذکر ہے اور تسمیہ کی شرط نہیں ہے اور تذکیہ لغت میں فتح وشق کو کہتے ہیں معلوم ہوا کہ تسمیہ شرط نہیں ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ تذکیہ سے شرعی تذکیہ مراد ہے جس میں تسمیہ شرط ہے لغوی تذکیہ مراد نہیں کیونکہ درندہ کا مارا ہوا شکار ذبح کرنے سے بالاتفاق حلال نہیں ہے حالانکہ تذکیہ لغوی پایا گیا ہے معلوم ہوا کہ الا ماذکیتم میں تذکیہ شرعی مراد ہے جس میں تسمیہ شرط ہے۔

دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ان قوما قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان قوما یاتوننا بلحم لا ندری أذکر اسم الله علیه ام لا؟ فقال سمّوا علیه انتم وکلوه، قالت وکانوا حدیثی عهد بالکفر۔ یعنی ہمارے پاس کچھ نومسلم گوشت لاتے ہیں، معلوم نہیں کہ ان پر بوقت ذبح بسم اللہ پڑھی گئی ہے یا نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ، معلوم ہوا کہ بوقت ذبح وشکار تسمیہ شرط نہیں ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کا مستدل ہونے میں صریح نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس پر بسم اللہ پڑھو اور کھالو مقصد یہ کہ جب مسلمان گوشت لایا ہے تو اس کے بارے میں خواہ مخواہ بدگمانی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، حسن ظن سے کام لینا چاہیے، جب تک صراحتا ترک تسمیہ عمداً کا علم نہ ہو جائے بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔ نیز یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کے آخر میں وذلك فی اول الاسلام کا اضافہ ذکر کیا ہے۔ (کشف الباری کتاب الذبائح ص ۳۱۹)

③ راجح کی ترجیح:۔ ان تینوں اقوال میں سے احناف کا قول راجح ہے اسلئے کہ اسکے علاوہ دونوں قول افراط اور تفریط کا شکار ہیں علاوہ ازیں اگر آیت کے ظاہر کو لیں جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا خیال ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو حضرات متروک التسمیه ناسیًا کی حرمت کے قائل تھے وہ اس آیت سے حجت پکڑتے۔ انکا اسکو دلیل نہ بنانا یہ دلیل ہے کہ آیت سے ظاہری معنی مراد نہیں۔ مزید یہ کہ اگر نسیان کے عذر کو عذر شمار نہ کیا جائے تو حرج کثیر لازم آئیگا حالانکہ شریعت حرج کو دور کرتی ہے اور انسان بھولتا بہت ہے پھر عظیم نقصان ہوگا۔

④ عمداً بغیر تسمیہ چھوڑے گئے کتے وغیرہ کے شکار کے اکل کا حکم:۔ شکار پر کلب معلم یا باز چھوڑا اسی طرح کوئی تیر پھینکا لیکن اس پر جان بوجھ کر تسمیہ نہیں پڑھا تو ایسے شکار کے متعلق وہی حکم ہے جو اوپر گزرا کہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک یہ شکار حلال نہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شکار حلال ہے اسے کھایا جاسکتا ہے۔

الشق الثانی ...... ولایجوز الاکل والشرب والادهان والتطیب فی آنیة الذهب والفضة للرجال والنساء لقوله علیه الصلاة والسلام فی الذی یشرب فی اناء الذهب انما یُجَرْجِرُ فی بطنه نار جهنم (ص ۴۵۳۔ رحمانیہ)

ترجم العبارة اولا۔ لماذا لایجوز استعمال آنیة الذهب والفضة۔ هل هناك فرق بین الرجال والنساء فی هذا التحریم ام لا۔ کیف التوفیق بین ماقال القدوری "لایجوز الاکل والشرب" وبین ماقال صاحب الجامع الصغیر "یکره" والعبارتان متنافیتان۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۳ ص ۲۶۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) سونا چاندی کے برتن کے استعمال کے عدم جواز کی وجہ (۳) سونا و چاندی کے برتن کے استعمال میں عورت اور مرد کے درمیان فرق (۴) قدوری اور جامع صغیر کی عبارت میں توفیق و تطبیق۔

جواب ...... **① عبارت کا ترجمہ:۔** کھانا پینا اور تیل لگانا و خوشبو لگانا سونے اور چاندی کے برتنوں میں مردوں اور عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے اس شخص کے متعلق جو سونے اور چاندی کے برتن میں پیتا ہے" کہ وہ

اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے"۔

❷ سونا چاندی کے برتن کے استعمال کے عدم جواز کی وجہ:۔ سونے اور چاندی کے برتنوں کو کھانے اور پینے میں استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے اس کی پہلی دلیل آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھاتا اور پیتا ہے وہ دراصل اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ دوسری دلیل: یہ واقعہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس چاندی کے برتن میں پانی لایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے ہمیں اس سے (چاندی کے برتن میں پینے سے) منع فرمایا ہے۔

تیسری دلیل: یہ ہے کہ ایسے برتنوں میں پینا اور کھانا مشرکین متکبرین اور فضول خرچ لوگوں کے ساتھ مشابہت اور ان کی پیروی ہے جبکہ ان دونوں باتوں سے منع کیا گیا ہے۔

❸ سونا و چاندی کے برتن کے استعمال میں عورت اور مرد کے درمیان فرق:۔ سونے اور چاندی کے زیورات کے استعمال میں تو مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق ہے کہ عورتوں کے لئے ان کا استعمال جائز ہے لیکن مردوں کیلئے ان کا استعمال جائز نہیں ہے لیکن اس کے ماسوا برتن وغیرہ کے استعمال میں مرد اور عورت برابر ہے چنانچہ جس طرح مرد کے لئے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانا پینا جائز نہیں، اسی طرح عورت کیلئے بھی ایسے برتن کا استعمال ناجائز و حرام ہے۔

❹ قدوری اور جامع صغیر کی عبارت میں توفیق و تطبیق:۔ امام قدوری رحمہ اللہ نے اس جگہ **ولا یجوز** کی عبارت ذکر کی ہے جبکہ جامع صغیر میں **و یکرہ** مذکور ہے اگرچہ بظاہر ان میں تعارض و تنافی نظر آتی ہے لیکن ان میں کوئی تفاوت نہیں ہے، دونوں کی مراد ایک ہے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ اس جگہ مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد لیتے ہیں جو کہ عدم جواز کے قریب ہی ہے لہٰذا دونوں عبارتوں میں مفہوم و مراد کے اعتبار سے موافقت پائی جاتی ہے اور حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۱ھ

الشق الاول ......**وهو مضمون بالاقل من قيمته ومن الدين فاذا هلك فى يد المرتهن وقيمته والدين سواء صار المرتهن مستوفيًا لدينه وان كانت قيمة الرهن اكثر فالفضل امانة ، فان كانت اقل سقط من الدين بقدره و رجع المرتهن بالفضل .** (ص ۵۲۰ ۔ رحمانیہ) **ترجم العبارة . ماهى المسئلة فى العبارة بينها مع اختلاف الفقهاء فيها وترجيح الراجح. ما المراد دين مضمون .** (اشرف الہدایہ ج ۱۴ ص ۱۵۷)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور حل طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مرہون کے مضمون بالقیمہ اوالدین ہونے میں اختلاف (۳) راجح کی ترجیح (۴) دَینِ مضمون کی مراد۔

جواب ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ اور وہ مرہون رہن کی قیمت اور قرض میں سے اقل کے ساتھ مضمون ہوتا ہے پس جب وہ مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا اس حال میں کہ اس مرہون کی قیمت اور قرض برابر ہیں تو مرتہن اپنے قرض کو وصول کرنے والا ہو گا اور اگر رہن کی قیمت زیادہ ہو تو زیادتی مرتہن کے پاس امانت ہے اور اگر رہن کی قیمت کم ہو تو قرض میں سے اسی کے بقدر ساقط ہو جائے گا اور مرتہن زیادتی کو واپس لے گا۔

❷ مرہون کے مضمون بالقیمہ اوالدین ہونے میں اختلاف:۔ اس مسئلہ میں احناف رحمہم اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ کا اختلاف ہے کہ مرہونہ چیز مضمون بالقیمۃ ہوتی ہے یا مضمون بالاقل ہوتی ہے؟۔ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مرہون قیمت اور دَین میں سے جو اقل ہو اس کا مضمون ہوتا ہے یعنی کہ مضمون بقدرِ دین ہے جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک مضمون بالقیمۃ ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص

نے ایک کپڑا رہن رکھا جس کی عند الرہن قیمت پندرہ سو تھی اور ایک ہزار قرض لے لیا اب مرتہن کے پاس کپڑا ہلاک ہوگیا تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راہن مرتہن سے پانچ سو وصول کرے گا۔ لیکن احناف رحمہم اللہ کے نزدیک ایک ہزار تو مرتہن نے وصول کر لئے باقی پانچ سو اسکے پاس امانت ہیں اگر کپڑا اسکی تعدی سے ہلاک ہوا تو ضمان واجب ہے ورنہ نہیں۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے آپ رضی اللہ عنہ نے رہن کے بارے میں فرمایا کہ راہن اور مرتہن زیادتی کا لین دین کریں گے یعنی قرض اگر رہن سے زیادہ ہے تو زیادتی راہن سے لی جائے گی اور اگر مرہون کی قیمت زیادہ ہے تو زیادتی مرتہن سے وصول کی جائے گی۔ دوسری دلیل: کا حاصل یہ ہے کہ جیسے راہن کی وہ مقدار مرہون ہے جو بقدر دین ہے ایسے ہی اس سے زیادہ مقدار بھی مرہون ہے کیونکہ اصل اور زیادتی دونوں قرض کے بدلہ میں محبوس ہیں تو جیسے رہن کی وہ مقدار مضمون ہے جو بقدر دین ہے ایسے ہی وہ مقدار بھی مضمون ہوگی جو اس سے زیادہ ہے۔

احناف کی پہلی دلیل: یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی منقول ہے جیسا کہ احناف رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔

دوسری دلیل: کا حاصل یہ ہے کہ مرتہن کا قبضہ وصول یابی کا قبضہ ہے جتنی مقدار وصول یابی کی ہوگی اتنا ہی ضمان واجب ہونا چاہیے کیونکہ مرتہن کی یہ وصول یابی حقیقی وصول یابی نہیں ہے بلکہ اس کو وصول یابی شمار کر لیا گیا ہے اور اگر حقیقی وصول یابی ہو تو یہی حکم ہے کہ وہ بقدرِ دین مضمون ہے اور باقی امانت ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ دلیل کا جواب: یہ ہے کہ آپ کا بیان کردہ حدیث کا مطلب درست نہیں ہے بلکہ اسکا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر مرہون کو بیچا جائے تو راہن و مرتہن کمی بیشی کا لین دین کریں گے اور بیع میں ہم بھی اسی کے قائل ہیں جبکہ ہمارا اور آپ کا اختلاف ہلاک شدہ مرہون میں ہو رہا ہے جو حدیث کی مراد نہیں ہے۔

۳ راجح کی ترجیح:۔ اس مسئلہ میں احناف رحمہم اللہ کا مذہب راجح ہے۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ **الضرورة تتقدر بقدر الضرورة** یعنی ضرورت بقدرِ ضرورت ہوتی ہے چونکہ رہن میں بقدرِ دین وثیقہ مطلوب تھا اور اتنی ضرورت تھی اس سے زائد کی مرتہن کو ضرورت نہ تھی اور جب اس سے زائد اس کے پاس رکھ دی تو وہ زائد مرتہن کے پاس امانت ہی ہوگی مثلاً ایک شخص کو دو سو روپے کی ضرورت تھی تو اس نے بطورِ قرض کسی سے دو سو لئے اور اس کے عوض میں مرتہن کے پاس بطورِ رہن کے وہ گھوڑا رکھا جو تین سو مالیت کا ہے اگرچہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کے پاس دو سو مالیت کا گھوڑا رکھا جائے لیکن یہ صورت ممکن نہ تھی تو بربناءِ ضرورت پورا گھوڑا رکھ دیا گیا مگر ضرورت ضرورت کی حد تک رہتی ہے تو زیادتی کو رہن رکھنے میں ضرورت تھی اس لئے اس کو جائز قرار دیا گیا اور ضمان کے حق میں ضرورت نہیں ہے اس لئے ضمان واجب نہ ہوگی۔

۴ دَین مضمون کی مراد:۔ دین ہمیشہ مضمون ہی ہوتا ہے یہاں پر اسکو مضمون کی قید سے مقید کرنا بطریقِ تاکید ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ دَینِ مضمون سے امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کی مراد وہ دین ہے جو فی الحال واجب ہو ورنہ ضمان بالدرک کے بدلہ رہن صحیح نہیں ہے۔

الشق الثانی ...... **وقتل الخطاء تجب به الدية على العاقلة والكفارة على القاتل والدية فى الخطاء مائة من الابل اخماسا عشرون بنت مخاض وعشرون بنت لبون وعشرون ابن مخاض وعشرون حقة وعشرون جذعة.** (ص ۵۷۸۔ رحمانیہ)

ترجم العبارة۔ ماهى بنت مخاض و بنت لبون و حقة وجذعة بيّن سِنَّ كل منها۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۵ ص ۱۱۲)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) بنت مخاض ولبون، حقہ وجذعہ کا تعارف۔

جواب ...... ۱ عبارت کا ترجمہ:۔ اور قتلِ خطا کی وجہ سے عاقلہ پر دیت اور قاتل پر کفارہ واجب ہے اور دیت خطاء میں

پانچویں قسم کے سو اونٹ ہیں بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس ابن مخاض، بیس حقے اور بیس جذعے۔

بنت مخاض ولبون، حقہ وجذعہ کا تعارف:۔

بنت مخاض: اونٹ کا وہ مادہ بچہ جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں شروع ہو گیا ہو۔

بنت لبون: اونٹ کا وہ بچہ جو اپنی عمر کے دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں شروع ہو چکا ہو۔

حقہ: وہ اونٹ جو اپنی عمر کے تین سال پورے کر کے چوتھے سال میں شروع ہو چکا ہو۔

جذعہ: وہ اونٹ جو اپنی عمر کے چار سال پورے کر کے پانچویں سال میں شروع ہو چکا ہو۔

الورقة السادسة فی الفقه (هدايه رابع)

السوال الاول ۱۴۳۲ھ

الشق الاول......وَلَا تَدْخُلُ السُّكَّانُ فِي الْقَسَامَةِ مَعَ الْمُلَّاكِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: هُوَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا ...... وَهُوَ عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ دُونَ الْمُشْتَرِينَ وَهٰذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: اَلْكُلُّ مُشْتَرِكُونَ۔ شكّل العبارة ثمّ ترجمها. عرّف القسامة لغةً واصطلاحًا. اذكر كيفية القسامة موجزًا. وضّح المسئلتين المذكورتين محلًّى بالدلائل.

خلاصہ سوال ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ قسامہ کی تعریف وکیفیت ④ دونوں مسئلوں کی وضاحت بالدلائل۔

جواب ...... ① عبارت پر اعراب:۔ کما مر فی السوال آنفا

② عبارت کا ترجمہ:۔ اور سکان قسامت میں مالکان کے ساتھ داخل نہ ہوں گے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اور یہی امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قسامت ان سب پر ہوگی .... اور وہ اہلِ خطہ پر ہوگی نہ کہ خریداروں پر اور یہ امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب مشترک ہوں گے۔

③ قسامہ کی تعریف وکیفیت:۔ کما مر فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۳۳ھ (الورقة الرابعة)؟؟؟

④ دونوں مسئلوں کی وضاحت بالدلائل:۔ زمین کے مالک وکرایہ داروں میں سے قسامت کس پر لازم ہوگی؟ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک صرف مالکان پر قسامت لازم ہوگی جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک سب پر قسامت لازم ہوگی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہودِ خیبر پر قسامت ودیت لازم کی تھی حالانکہ وہ ملکیت کے بغیر وہاں کے باشندے تھے، معلوم ہوا کہ تمام باشندوں ومالکوں پر دیت وقسامت لازم ہے۔

طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ نصرتِ بقعہ کے لیے مالکان ہی مختص ہیں کیوں کہ سکان کے سکنی میں قرار ودوام نہیں ہے لہٰذا تدبیر کی ولایت صرف مالکان پر ہوگی اور حفاظت بھی انہی پر ضروری ہوگی اور کوتاہی کی وجہ سے یہی ماخوذ ہوں گے۔

باقی یہودِ خیبر اپنی زمینوں کے مالک تھے، آپ ﷺ نے ان کو ان کی املاک وجائیداد پر برقرار رکھا تھا اور ان سے جو کچھ وصول کرتے تھے وہ بطورِ خراج وصول کرتے تھے۔

دوسرے مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ مالکوں میں دو قسم کے لوگ ہیں: ① اہلِ خطہ (جن کو امام نے فتح کے وقت زمین دی تھی) ② وہ لوگ جنھوں نے بعد میں زمین خرید کر اس میں سکونت اختیار کی ہے۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں فریقوں پر دیت و

قسامت لازم ہے اور طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ صرف اہلِ خطہ پر قسامت و دیت لازم ہوگی، بعد کے خریداروں پر نہ ہوگی۔
امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں فریق ہی مالک ہیں اور دونوں کو حفاظت کی ولایت ہے تو ترکِ حفاظت کی وجہ سے دونوں فریق کوتاہی کے مرتکب ہونے کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے اور دونوں پر دیت و قسامت لازم ہوگی۔
طرفین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ متعارف یہی ہے کہ اہلِ خطہ ہی علاقہ و بقعہ کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں، نیز اہلِ خطہ اصیل ہیں اور بعد کے خریدار دخیل ہیں اور تدبیر کی ولایت اصیل کو ہوتی ہے دخیل کو نہیں ہوتی، لہٰذا صرف اہلِ خطہ پر ہی دیت و قسامت لازم ہوگی۔

الشق الثانی ...... وَ مَنْ رَمٰی مُسْلِمًا فَارْتَدَّ الْمَرْمِیُّ اِلَیْهِ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - ثُمَّ وَقَعَ بِهِ السَّهْمُ فَعَلَی الرَّامِیْ الدِّیَةُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ - رحمه الله - وَ قَالَ لَا شَیْئَ عَلَیْهِ لِاَنَّهٗ بِالْاِرْتِدَادِ اَسْقَطَ تَقَوُّمَ نَفْسِهٖ فَیَکُوْنُ مُبْرِئًا لِلرَّامِیْ عَنْ مُوْجِبِهٖ، کَمَا اِذَا اَبْرَاَهٗ بَعْدَ الْجَرْحِ قَبْلَ الْمَوْتِ۔

شکّل العبارة ثمّ ترجمها۔ انکر اختلاف ائمتنا فی المسئلة مدللاً۔ الفعل عمد و موجبه قود، فلما ذا سقط القصاص؟ لورمی الی رجل مرتد فاصابه السهم بعد ما اسلم فهل تجب الدیة فی مثل هذا القتل ام لا؟

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ مسئلۂ دیت میں اختلاف مع الدلائل ④ قتلِ عمد کے باوجود قصاص ساقط ہونے کی وجہ ⑤ تیر لگنے سے پہلے مسلمان ہونے والے مرتد کا حکم۔

جواب ...... ① عبارت پر اعراب:۔ کما مر فی السوال آنفًا

② عبارت کا ترجمہ:۔ اور جس شخص نے کسی مسلمان پر تیر پھینکا پس مرمی الیہ مرتد ہو گیا (اللہ کی پناہ) پھر اس کو تیر لگا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیر پھینکنے والے پر دیت لازم ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر کچھ لازم نہیں ہے اس لیے کہ مرمی الیہ نے مرتد ہونے کی وجہ سے اپنے نفس کا تقوم ساقط کر دیا ہے پس مرتد رامی کو رمی کے موجب سے بری کرنے والا ہو جائے گا جیسا کہ اس نے زخمی ہونے کے بعد مرنے سے پہلے اسے بری کر دیا۔

③ مسئلۂ دیت میں اختلاف مع الدلائل:۔ مذکورہ صورت میں جب مرمی الیہ رمی کے بعد مرتد ہو گیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دیت لازم ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک کچھ بھی لازم نہیں ہے۔
صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مرمی الیہ مرتد ہے لہٰذا ارتداد کی وجہ سے اس کا تقوم ختم ہو گیا ہے اور جب تقوم ختم ہو گیا تو گویا مرمی الیہ نے مرتد ہو کر رامی کو موجبِ رمی (دیت یا قصاص) سے بری کر دیا ہے لہٰذا کوئی ضمان لازم نہ ہوگا، اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی زخمی مرنے سے پہلے زخمی ہونے کے بعد زخمی کرنے والے کو معاف کر دے تو وہ بری ہو جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ضمان رامی کے فعل سے لازم ہوتا ہے اور اس کا فعل رمی ہے اس لیے کہ رمی کے بعد رامی کی طرف سے کوئی فعل نہیں ہے پس رمی کی حالت کا اعتبار ہوگا اور مرمی الیہ حالتِ رمی میں متقوم یعنی مسلمان ہے لہٰذا تقوم کی وجہ سے ضمان یعنی دیت لازم ہوگی جیسے اگر کسی مسلمان نے شکار کو تیر مارا اور تیر لگنے سے پہلے یہ شخص مرتد ہو گیا تو شکار حلال ہوگا کیوں کہ بوقتِ رمی یہ شکاری مسلمان تھا اور حالتِ رمی کا ہی اعتبار ہوتا ہے۔

④ قتلِ عمد کے باوجود قصاص ساقط ہونے کی وجہ:۔ رمی کے عمداً ہونے کی وجہ سے قصاص لازم ہونا چاہیے تھا مگر حالتِ اصابت (تیر لگنے کی حالت) کے اعتبار سے اس میں شبہ پیدا ہو گیا ہے اور شبہ کی وجہ سے قصاص کی بجائے دیت لازم ہوتی ہے۔

⑤ **تیر لگنے سے پہلے مسلمان ہونے والے مرتد کا حکم:۔** مذکورہ صورت میں جب مرتد کو تیر پھینکا اور وہ تیر لگنے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو بالاتفاق اس پر کچھ لازم نہیں ہے اس لیے کہ رمی کے وقت محل کے عدم تقوم کی وجہ سے رمی موجب ضمان نہیں ہے کیوں کہ رمی کے وقت یہ شخص مسلمان نہیں ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۲ھ

الشق الاول ...... ویکرہ ان ینکر مع اسم اللہ تعالی شیئا غیرہ وان یقول عند الذبح اللھم تقبل من فلان۔

ترجم العبارۃ۔ بین الصور الثلاثۃ مع احکلھا کما بین المصنف"۔ (ص۴۳۵۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ج۱۳ ص۲۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینے کی صورتیں مع الحکم۔

جواب ...... ❶ **عبارت کا ترجمہ:۔** امام محمد ؒ نے فرمایا اور مکروہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کے علاوہ کسی شی کا ذکر کرے اور مکروہ ہے یہ کہ وہ ذبح کے وقت کہے اے اللہ فلاں کی جانب سے قبول فرمالے۔

❷ **ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینے کی صورتیں مع الحکم:۔** صاحب ہدایہ ؒ فرماتے ہیں کہ عبارت میں مذکور مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔ ① اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ دوسرے کا ذکر کیا جائے لیکن عطف کے طریقہ پر نہیں بلکہ وصل کے طریقہ پر بغیر عطف کے مثلاً **بسم اللّٰہِ محمدٌ رسول اللّٰہ** ۔اس صورت کا حکم یہ ہے کہ یہ طریقہ مکروہ ہے لیکن ذبیحہ حلال رہے گا حلال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہاں آپ ﷺ کو شریک نہیں کیا گیا اور اگر شریک بنانا مقصود ہوتا تو پھر لفظ ''محمد'' مجرور ہوتا۔

② اللہ کے نام کے ساتھ غیر کا ذکر عطف کے ساتھ کیا جائے مثلاً **بسم اللّٰہِ واسمِ فلان ، بسم اللّٰہِ و محمدٍ رسول اللّٰہ** اس کا حکم یہ ہے کہ یہ ذبیحہ حرام ہے اس لئے کہ یہ **ما اھل لغیر اللّٰہ** کے تحت داخل ہے۔

③ ذبح کرنیوالا تسمیہ سے پہلے یا لٹانے سے پہلے یا اسکے بعد کہے ''اے اللہ! اس قربانی کو فلاں کی طرف سے قبول فرما'' اس صورت کا حکم یہ ہے کہ یہ ذبیحہ جائز ہے اور اس میں شرکت کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور یہ عمل خود رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔

الشق الثانی ...... قال ویکرہ ان یقبل الرجل فم الرجل اویدہ او شیئا منہ او یعانقہ۔(ص۴۷۰۔رحمانیہ)

ترجم العبارۃ۔ ماھو حکم تقبیل الرجال وما ھو الخلاف فیہ ؟ بیّن بالدلائل (اشرف الہدایہ ج۱۳ ص۳۲۰)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مرد کا بوسہ لینے میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

جواب ...... ❶ **عبارت کا ترجمہ:۔** اور مکروہ ہے کہ مرد دوسرے مرد کے منہ کا بوسہ لے یا اس کے ہاتھ کا یا اس کے کسی حصہ کا یا اس سے معانقہ کرے۔

❷ **مرد کا بوسہ لینے میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔** اگر مرد مرد کا یا عورت عورت کا شہوت کے ساتھ ملاقات یا رخصتی کے وقت بوسہ لے تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر اعزاز و اکرام کی غرض سے ہو تو جائز ہے جیسے کسی فقیہ و استاذ کے چہرہ کا بوسہ لینا۔

پھر مرد کے لئے مرد کا بوسہ لینے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ ؒ اور امام محمد ؒ کے نزدیک مرد کے لئے دوسرے مرد کا بوسہ لینا مکروہ ہے اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک جائز ہے۔

امام ابو یوسف ؒ کی دلیل حضرت جعفر طیار ؓ کا حبشہ سے واپسی کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر طیار ؓ سے معانقہ فرمایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا پس معلوم ہوا کہ مرد کے لئے مرد کا بوسہ لینا جائز ہے۔

طرفین کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے معانقہ اور تقبیل سے منع فرمایا ہے۔

طرفین کی طرف سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور یہ حکم پہلے کا ہے۔

السوال الثالث ۱۴۳۲ھ

الشق الاول ...... ولا بأس بتحلية المصحف ولا بأس بان يدخل اهل الذمة المسجد الحرام (ص۴۶۸ رحمانیہ)

ترجم العبارة واضحة. هل يجوز لاهل الذمة ان يدخلوا المسجد الحرام او اى مسجد. بيّن هذه المسئلة مع اختلاف الفقهاء وبيان الدلائل. (اشرف الہدایہ ج ۱۳ ص ۳۳۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں دو امور حل طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) اہل ذمہ کے مسجد حرام یا کسی اور مسجد میں داخل ہونے میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

جواب ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ اور قرآن مجید کو مزین کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اہل ذمہ کے مسجد حرام میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

❷ اہل ذمہ کے مسجد حرام یا کسی اور مسجد میں داخل ہونے میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ اہل ذمہ کے لئے مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخل ہونا جائز ہے یا نہیں اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک اہل ذمہ کا مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخل ہونا جائز ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی بھی مسجد میں کفار کا داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام میں کفار کا داخل ہونا جائز نہیں ہے البتہ باقی مساجد میں جائز ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد **انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا** سے استدلال کیا ہے کہ صرف مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ نیز کافر جنابت کی حالت میں ہے کیونکہ اس کا غسل اس کو جنابت سے خارج نہیں کرتا تو جیسے جنبی کا دخول مسجد حرام میں جائز نہیں ہے ایسے ہی ذمی کا دخول بھی جائز نہیں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے بھی اللہ تعالیٰ کے اسی ارشاد **انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام** سے استدلال کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ جب کفار کا ناپاک ہونا ثابت ہو گیا تو ناپاک کا دخول کسی بھی مسجد میں جائز نہیں ہے خواہ مسجد حرام ہو یا اسکے علاوہ ہو۔

احناف رحمہم اللہ کی پہلی دلیل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ ثقیف کا ایک وفد حاضر ہوا جو کہ کافر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا تھا۔ دوسری دلیل: کافر کا بدن ناپاک نہیں ہے بلکہ اس کا اعتقاد ناپاک و پلید ہے مگر اعتقاد کی پلیدی سے مسجد کا خراب ہونا لازم نہیں آتا۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اثال کو کفر کی حالت میں مسجد میں باندھا جن کا واقعہ مشہور ہے۔

امام شافعی و امام مالک کی پیش کردہ آیت کا پہلا مطلب یہ ہے کہ اب مشرکین کا غلبہ و تسلط ختم ہو گیا ہے اب وہ تکوینی طور پر مسجد حرام کے قریب نہیں آئیں گے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ مشرکین زمانۂ جاہلیت کی طرح آئندہ ننگے ہو کر مسجد حرام میں طواف کے لئے داخل نہ ہوں۔

الشق الثانی ...... ومن شج نفسه وشجه رجل وعقره اسد واصابته حية فمات من ذلك كله فعلى الاجنبى ثلث الدية. (ص۶۲۲ رحمانیہ) ترجم العبارة اولا. هل هذا الميت يغسل ويصلى عليه ام لا؟ بين خلاف الفقهاء فى غسله والصلوة عليه. (اشرف الہدایہ ج ۱۵ ص ۳۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مذکورہ میت کے غسل و صلوٰۃ میں ائمہ کا اختلاف۔

جواب ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ اور جس شخص نے اپنا سر پھوڑا اور کسی دوسرے شخص نے بھی اس کا سر پھوڑا اور شیر نے بھی اس کو پھاڑا اور سانپ نے بھی اس کو ڈسا پس وہ ان تمام چیزوں کی وجہ سے مر گیا تو اجنبی پر تہائی دیت ہے۔

۲ مذکورہ میت کے غسل وصلوٰۃ میں ائمہ کا اختلاف:۔ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک ایسے شخص کو جس نے اپنے آپ کو زخمی کیا اور دیگر اسباب سے بھی اسکو زخمی کیا گیا اور اسکی موت واقع ہوگئی تو اسکو غسل بھی دیا جائے اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اسے صرف غسل دیا جائے اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔ سیر کبیر میں امام محمد رحمہ اللہ نے اس میت مذکور کے بارے میں اختلاف مشائخ کا ذکر کیا ہے مگر مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ اس میت کو غسل بھی دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی۔

الورقة السادسة فی الفقه (هداية رابع)

السوال الاوّل ۱۴۳۳ھ

الشق الاوّل ...... قال واذا باع بثمن مؤجل فللشفيع الخيار ان شاء اخذ بثمن حال وان شاء صبر حتى ينقضى الاجل ثم ياخذها وليس له ان ياخذها فى الحال بثمن موجل۔ (ص ۴۰۰۔رحمانیہ)

ترجم العبارة۔ بيّن خلاف الائمة فى المسئلة مع بيان دلائلهم۔ ما المراد من الصبر، الصبر عن اخذ المبيع فى الحال او الصبر عن طلب الشفعة وضح الامر حق التوضيح۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۳ص ۶۱)

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مسئلہ مذکورہ میں اختلاف ائمہ مع الدلائل (۳) صبر کی مراد اور مکمل وضاحت۔

جواب ...... ۱ عبارت کا ترجمہ:۔ اور امام قدوری رحمہ اللہ نے فرمایا جب بائع نے مؤجل ثمن کے ساتھ کوئی جائیداد بیچ دی تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اسے نقد ثمن کے ساتھ لے لے اور اگر چاہے تو صبر کرے یہاں تک کہ مدت گزر جائے پھر اس کو لے لے اور شفیع کو یہ حق نہیں کہ وہ اس کو ادھار ثمن کے ساتھ فی الحال لے لے۔

۲ مسئلہ مذکورہ میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ بائع نے کوئی جائیداد ثمن مؤجل کے ساتھ بیچ دی تو وہ شفیع کے حق میں بھی ثمن مؤجل سے ہوگی یا شفیع فی الفور اس کے ثمن ادا کرے گا۔

احناف رحمہم اللہ کے نزدیک شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو ثمن نقد کے ساتھ لے اور اگر چاہے تو صبر کرے مدت گزرنے تک۔ الغرض شفیع کے حق میں ثمن حالی ہوں گے ثمن مؤجل نہیں ہوں گے۔

امام زفر رحمہ اللہ کا مذہب اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول یہ ہے کہ شفیع کے حق میں بھی ثمن مؤجل ہی ہوں گے۔

امام زفر رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ عقد مذکور میں اجل ایک وصف ہے اور وصف چونکہ موصوف کے تابع ہوا کرتی ہے لہٰذا جب شفعہ کے باعث ثمن شفیع پر واجب ہوئے تو وہ وصف کے ساتھ ہی واجب ہوئے جیسے کھوٹ دراہم کا وصف ہے لہٰذا اگر بائع نے کھوٹے دراہم کے بدلہ میں مکان فروخت کیا تو شفیع کے لئے بھی حق ہے کہ وہ اتنے ہی کھوٹے دراہم دے کر مکان لے لے۔ اسی طرح یہاں بھی شفیع کو حق ہوگا کہ ثمن مؤجل کے بدلہ میں مکان لے لے۔

احناف رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اجل وصف نہیں بلکہ یہ تو شرط سے ثابت ہوتی ہے اور شرط بائع اور مشتری کے درمیان ہے نہ کہ شفیع اور بائع کے درمیان۔ اور بائع اگر مشتری کو ادھار دینے پر راضی ہوگیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شفیع کو بھی ادھار دینے پر راضی ہوگیا کیونکہ لوگوں کے احوال مختلف ہیں کوئی مال دار ہے اور کوئی غریب ہے اور کوئی نادہندہ ہے اور کوئی دہندہ۔ مال دار اور دہندہ سے وصولی آسان ہے اور غریب و نادہندہ سے وصولی مشکل ہے لہٰذا اجل ثمن میں شرط ہے وصف نہیں ہے اور یہ بات بائع اور مشتری کے درمیان متحقق ہے نہ کہ بائع اور شفیع کے درمیان۔ لہٰذا شفیع اس دار مشفوعہ کو ثمن حالی سے ہی لے سکتا ہے۔

امام زفر رحمہ اللہ کی دلیل (اجل ثمن کا وصف ہے) کا جواب یہ ہے کہ یہ قول درست نہیں ہے اسلئے کہ اگر یہ ثمن کا وصف ہوتا تو پھر یہ بھی ثمن کی طرح بائع کا حق ہوتا حالانکہ ثمن بائع کا حق ہے اور اجل مشتری کا حق ہے پس اجل کو ثمن کا وصف قرار دینا درست نہیں ہے۔

③ صبر کی مراد اور مکمل وضاحت:۔ امام قدوری رحمہ اللہ کے قول وان شاء صبر الخ کا یہ مطلب نہیں کہ شفیع کو حق ہے کہ مدت گزرنے تک طلب شفعہ سے صبر کرے بلکہ بیع کا علم ہوتے ہی طلب شفعہ ضروری ہے، مطلب یہ ہے کہ شفعہ کا مطالبہ تو ابھی سے کرلے البتہ طلب خصومت میں صبر کرلے۔ اس لئے کہ طرفین رحمہما اللہ کے نزدیک طلب شفعہ میں تاخیر کرنے سے حق شفعہ سے محروم ہوجائے گا جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے آخری قول کے مطابق حق شفعہ باطل نہ ہوگا لہٰذا دار مشفوعہ کے لینے سے صبر کرسکتا ہے اور فی الحال شفعہ کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔

الشق الثانی ...... **قال واجرة القسمة على عدد الرؤس عند ابی حنيفة وقال ابو يوسف ومحمد على قدر الأنصباء۔** (ص ۴۱۲۔ رحمانیہ) **عرف القسمة لغةً وشرعًا۔ هل القسمة مشروعة ماهي دلائل مشروعيتها۔ بيّن مسئلة المتن مع اختلاف الائمة وبيان دلائلهم۔** (اشرف الہدایہ ج ۱۳ ص ۱۱۴)

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) قسمۃ کا لغوی و اصطلاحی معنی (۲) قسمۃ کا حکم و مشروعیت کے دلائل (۳) قسمۃ کی اجرت میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

جواب ...... ① قسمۃ کا لغوی و اصطلاحی معنی:۔ قسمۃ لغت میں اقتسام یا تقسیم کا اسم ہے اور شریعت کی اصطلاح میں **جمع النصيب الشائع في معين** یعنی بکھرے ہوئے حصہ کو معین میں جمع کرنا۔

② قسمۃ کا حکم و مشروعیت کے دلائل:۔ ہر شریک کا حصہ علیحدہ علیحدہ متعین کرنا مثلاً والدہ کے انتقال کے بعد جائیداد میں سب ورثاء شریک ہیں، شریعت کی ترتیب کے مطابق ان کا حصہ متعین کرکے جدا کرنا قسمۃ کا حکم ہے۔

قسمۃ کی مشروعیت نصوصِ قطعیہ قرآن و حدیث سے واضح طور پر ثابت ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **ونبئهم ان الماء قسمة بينهم۔ كل شرب محتضر۔ لها شرب ولكم شرب يوم معلوم۔ واذا حضر القسمة اولوا القربىٰ** ۔ نیز حدیث شریف سے بھی اسکی مشروعیت ثابت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواریث وغنائم کو تقسیم فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے درمیان باری مقرر فرما رکھی تھی نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **واعط كل ذی حق حقه** نیز اسکی مشروعیت پر امت کا اجماع بھی ہے۔

③ قسمۃ کی اجرت میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ جب کوئی مشترک چیز شرکاء میں تقسیم ہونے لگے اور اس کا قاسم اس پر اجرت لئے بغیر اس کی تقسیم نہیں کرتا تو قاسم کی اجرت کس حساب سے ہوگی جبکہ شرکاء میں ایک کا حصہ کم اور دوسرے کا زیادہ ہے، اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جتنے شرکاء ہیں ان پر برابر برابر اجرت ہوگی حصوں کی کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہیں ہے جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جتنا جس شریک کا حصہ ہوگا اسی کے مطابق اجرت ہوگی مثلاً ایک کا حصہ نصف ہے دوسرے کا ثلث ہے اور تیسرے کا سدس ہے تو اجرت بھی اسی حساب سے لازم ہوگی۔

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم کی اجرت یہاں ملکیت کا بار خرچہ ہے تو جتنی جس کی ملکیت ہوگی اتنی ہی اس پر اجرت ہوگی جیسے شرکاء نے کسی کو اجیر بنایا کہ ان کے سامان کو کیل کردے یا تول دے تو بالاتفاق اجرت بقدرِ ملک ہوگی اور جیسے مشترک کنواں اجرت پر کھدوایا تو بقدرِ ملک کھودنے والے کی اجرت واجب ہوگی اسی طرح دو آدمیوں کے درمیان غلام مشترک ہے اس کا نفقہ بھی بقدرِ ملک ہر ایک پر واجب ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ تقسیم کی اجرت بھی شرکاء کے حصہ کے بقدر ہوگی۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ بٹوارہ وتقسیم میں ہرایک کے حصہ کوالگ کیا جاتا ہے تو جیسے قلیل کوکثیر سے الگ کیا جاتا ہے ایسے ہی کثیر کوبھی قلیل سے الگ کیا جاتا ہے تو پھر قلیل وکثیر کی تمییز برابر ہوگی اور اجرت بھی برابر ہوگی اور اسی طرح کبھی چھوٹا حصہ حساب کوالجھا دیتا ہے اور کبھی اسکے برعکس ہوتا ہے تو اصل مدار تمییز پر ہے جس میں تفاوت نہیں اسلئے اجرت میں بھی تفاوت نہ ہوگا۔

باقی صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل (کیل ووزن کے مسئلہ پر قیاس) کا جواب یہ ہے کہ کیل ووزن دو قسم پر ہے بٹوارہ کے لئے ہوگا یا بٹوارہ کے لئے نہیں ہوگا۔ اگر بٹوارہ کے لئے ہو تو پھر اس میں وہی اوپر والا اختلاف ہے لہٰذا اختلافی مسئلہ پر قیاس درست نہیں ہے اور اگر کیل ووزن بٹوارہ کے لئے نہ ہو تو پھر اجرت بقدرِ ملک ہوگی کیونکہ اجرت کیل ووزن کا بدل ہے اور اس میں قلیل وکثیر کا تفاوت ہے اس لئے اجرت بھی اسی حساب سے ہوگی۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاول ...... ویکرہ لحم الفرس عند ابی حنیفة وهو قول مالك وقال ابو یوسف ومحمد و الشافعی لاباس باكله ۔(ص۴۴۰۔رحمانیہ) ترجم العبارة ۔ ماهو خلاف الائمة فی المسئلة المذكورة ۔ هل الكراهة تحریمیة او تنزیهیة ۔ ماذا حكم لبن الفرس۔ (اشرف الہدایہ ج۱۳ص۲۲۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل چار امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) گھوڑے کا گوشت کھانے میں اختلاف (۳) کراہت کی تعیین (۴) لبن فرس کا حکم۔

جواب ...... ❶ **عبارت کا ترجمہ:۔** امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے اور یہی امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ، امام محمد رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

❷ **گھوڑے کا گوشت کھانے میں اختلاف:۔** گھوڑے کا گوشت کھانے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا گوشت کھانا مکروہ ہے جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور صاحبین رحمہما اللہ وامام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا جائز ہے۔ صاحبین وامام شافعی رحمہم اللہ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی۔

امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہما اللہ کی دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد **والخیل والبغال والحمیر لترکبوها وزینة** (اور اللہ تعالیٰ نے سواری وزینت کیلئے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا فرمائے) ہے۔ طریق استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں بندوں پر احسان جتا رہے ہیں اگر ان کا کھانا جائز ہوتا تو کھانا سب سے اعلیٰ منفعت ہے تو پھر اس کو ضرور ارشاد فرمایا جاتا یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو پیدا کیا تا کہ تم ان کو کھاؤ اور اللہ حکیم ہے اور حکیم جب احسان جتاتا ہے تو بڑی نعمت کو چھوڑ کر چھوٹی نعمت سے احسان نہیں جتاتا لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت نہیں کھایا جائیگا۔ نیز امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گھوڑا دشمن کو مرعوب کرنے کا آلہ ہے اسی لئے مالِ غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہے تو پھر احتراماً اس کا کھانا مکروہ ہے۔

نیز اگر اس کو مباح قرار دیا جائے تو آلۂ جہاد کو کم کرنا لازم آئے گا اس وجہ سے اس کو کھانا مکروہ ہے۔

حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ حدیثِ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ **ان النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **نهی عن لحوم الخیل والبغال والحمیر** میں صراحتاً نہی وارد ہے اور ضابطہ ہے کہ تعارض کے وقت محرم کو ترجیح ہوتی ہے اسلئے حدیثِ خالد رضی اللہ عنہ کو ترجیح حاصل ہوگی۔

❸ **کراہت کی تعیین:۔** امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک گھوڑے کے گوشت کی کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی ہے اس بارے میں

دونوں قول ہیں۔مگر کراہت تحریمی کا قول اصح ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا والاول اصح۔

④ لبن فرس کا حکم:۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ چونکہ گھوڑی کا دودھ استعمال کرنے سے آلۂ جہاد میں کچھ خلل اور تقلیل لازم نہیں آتی لہٰذا وہ جائز ہے اور سکب الانہر میں مفتی بہ قول کراہت تنزیہی کا نقل کیا گیا ہے۔

الشق الثانی ......ویکره لحوم الأتان والبانها وأبوال الابل وقال ابویوسف و محمد لا بأس بابوال الابل۔لایجوز الاکل والشرب والادهان والتطیب فی آنیة الذهب والفضة للرجال والنساء۔ (ص۴۵۲۔رحمانیہ)

ترجم العبارة ۔ وضح الخلاف فی مسئلة ابوال الابل ۔ ما المراد من الکراهة (اشرف الہدایہ ج۱۳ص۲۶۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) اونٹ کے بول میں اختلاف کی وضاحت (۳) گدھی کے گوشت میں کراہت کی تعیین۔

جواب ...... ① عبارت کا ترجمہ:۔ گدھیوں کے گوشت اور دودھ، اونٹوں کے پیشاب مکروہ ہیں اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اونٹوں کے پیشابوں میں کوئی حرج نہیں ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں میں مردوں اور عورتوں کے لئے کھانا و پینا، تیل و خوشبو لگانا جائز نہیں ہے۔

② اونٹ کے بول میں اختلاف کی وضاحت:۔ اونٹ کے پیشاب میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً یہ حرام ہے انکی دلیل یہ ہے کہ پیشاب میں اصل حرمت ہے خواہ وہ انسان کا پیشاب ہو یا حیوان کا، ماکول اللحم جانور کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف دواء کیلئے حلال ہے ویسے حلال نہیں ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً حلال ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماوضع شفاء کم فیما حرم علیکم یعنی حرام چیز میں تمہارے لئے شفاء نہیں ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل: حدیث عرنیین ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرینہ کو اونٹوں کے دودھ اور پیشاب کے پینے کا حکم فرمایا تھا۔اگر پیشاب حرام ہوتا تو انہیں پینے کا حکم نہ فرماتے۔ شیخین رحمہما اللہ کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے استنزهوا عن البول فان عامة عذاب القبر منه پیشاب سے بچو کیونکہ اکثر قبر کا عذاب اسی سے ہوتا ہے۔اس حدیث میں استنزهوا امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے، پس معلوم ہوا کہ پیشاب ناپاک ہے وگرنہ اس سے بچنے کا حکم نہ دیا جاتا۔

البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ حدیث عرنیین کی وجہ سے دواء وعلاج معالجہ کے لئے جائز و حلال قرار دیتے ہیں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے واقعہ عرنیین کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شفاء کا علم وحی کے ذریعہ ہو گیا تھا لہٰذا اس کے علاوہ میں استنزهوا عن البول کی وجہ سے حرمت کا حکم اپنی اصل پر برقرار رہے گا۔

③ گدھی کے گوشت میں کراہت کی تعیین:۔ گدھی کے گوشت کے مکروہ ہونے سے مراد مکروہ تحریمی ہے یعنی یہ حرام ہونے کے قریب ہے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۳ھ

الشق الاول ......قال ولاباس ببیع بناء بیوت مکة ویکره بیع أرضها وهذا عند ابی حنیفة وقالا لاباس ببیع ارضها ایضا۔ (ص۴۷۶۔رحمانیہ) ترجم العبارة ۔ بیّن الخلاف فی المسئلة المذکورة مع دلائل کل مجتهد ۔ هل اجارة اراضی مکة جائزة ام لا۔ (اشرف الہدایہ ج۱۳ص۳۳۸)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) مکہ کی زمین کو بیچنے میں اختلاف مع

الدلائل (۳) مکہ کی زمین کے اجارہ کا حکم۔

جواب ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ مکہ مکرمہ کے گھروں کی عمارت بیچنے میں کوئی حرج نہیں اور اس کی زمین بیچنا مکروہ ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ مکہ کی زمین بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

❷ مکہ کی زمین کو بیچنے میں اختلاف مع الدلائل:۔ مکہ کی عمارت کو بیچنا تو بالاتفاق جائز ہے اسلئے کہ وہ بانی کی ملکیت ہے البتہ اسکی زمین کی بیع میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ کے نزدیک اس کو بیچنا مکروہ ہے جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل: یہ ہے کہ مکہ کی زمین میں جملہ شرعی امور ظاہر ہوتے ہیں مثلاً اگر کوئی مرجائے تو اسمیں بالاتفاق میراث جاری ہوتی ہے اور مواریث میں بالاتفاق قسمت جاری ہوتی ہے تو بیع کا اختصاص بھی ظاہر ہوگا اور زمین کی بیع عمارت کی بیع کی مثل جائز ہوگی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آگاہ ہوجاؤ! مکہ حرام ہے اس کی احاطۂ زمین فروخت نہیں کی جائے گی اور نہ میراث میں تقسیم کی جائے گی۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی بیع وقف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے اور مکہ فناءِ کعبہ ہے تو اسکی بیع بھی جائز نہ ہوگی پھر جس طریقہ سے کعبہ محترم ہے اسی طرح پورا مکہ بلکہ پورا حرم محترم ہے تو یہ حرمت و تعظیم بیع کے حق میں بھی ظاہر ہوگی پس اسکی زمین کی بیع جائز نہیں ہے۔

تیسری دلیل: یہ ہے کہ عہدِ رسالت میں اراضیِ مکہ کا نام سوائب تھا یعنی جس پر کسی کو ولایت حاصل نہ ہو بلکہ جسے ضرورت ہو وہ اس میں رہے اور جسے ضرورت نہ ہو وہ چھوڑ دے تا کہ کوئی دوسرا اس میں رہ سکے۔ (صاحبِ عین الہدایہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور علامہ عینی رحمۃ اللہ نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے)۔

❸ مکہ کی زمین کے اجارہ کا حکم:۔ اراضیِ مکہ کو اجارہ پر دینا بھی حدیثِ مذکور کی وجہ سے مکروہ ہے اور اس لئے کہ اراضیِ مکہ کا نام عہدِ رسالت میں سوائب تھا یعنی جس پر کسی کو ولایت حاصل نہ ہو بلکہ جسے ضرورت ہو اس میں رہے اور جسے ضرورت نہ ہو چھوڑ دے تا کہ کوئی دوسرا اس میں رہ سکے۔

الشق الثانی ......وكل جناية اعترف بها الجانی فهی فی ماله ولايصدق على عاقلته وعمد الصبی والمجنون خطأ وفيه الدية على العاقلة وكذلك كل جناية موجبها خمس مأة فصاعدا والمعتوه كالمجنون (ص۵۹۱۔رحمانیہ)

ترجم العبارة ۔ بيّن خلاف الفقهاء فی المسئلة مع بيان الدلائل۔ (اشرف الہدایہ ج۱۵ ص۱۵۵)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) عبارت کا ترجمہ (۲) بچہ و مجنون کے قتلِ عمد کی دیت میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب ...... ❶ عبارت کا ترجمہ:۔ ہر وہ جنایت جس کا جانی نے اعتراف کیا ہو تو وہ اسی کے مال میں ہوگی اور اپنے عاقلہ پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور بچہ اور مجنون کا عمد خطاء ہے اور اس میں عاقلہ پر دیت ہے اور ایسے ہی ہر وہ جنایت جس کا موجب پانچ سو درہم یا زیادہ ہو اور معتوہ مثل مجنون کے ہے۔

❷ بچہ و مجنون کے قتلِ عمد کی دیت میں اختلاف مع الدلائل:۔ بچہ، مجنون اور معتوہ کا قتلِ عمد اور قتلِ خطاء کا ایک ہی حکم ہے یا ان میں فرق ہے اس مسئلہ میں احناف رحمۃ اللہ علیہم اور شوافع رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے۔ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ ان پر مکلف نہ ہونے کی وجہ سے قصاص لازم نہیں ہے بلکہ انکے عاقلہ پر دیت لازم ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قتلِ عمد تو عمد ہی ہے لیکن انکے صبی و جنون کی وجہ سے ہم نے قصاص کو چھوڑ دیا پس دیت لازم ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک صبی وغیرہ کے قتلِ عمد میں انکے عاقلہ پر دیت ہوگی جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی صبی وغیرہ پر اسکے مال سے دیت ہوگی اسکے عاقلہ پر نہ ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل: یہ ہے کہ قتل عمد تو عمد ہی ہے لیکن صبی وجنون کی وجہ سے ہم نے قصاص کو چھوڑ دیا جو کہ قتل عمد کا موجب ہے اور اس کا دوسرا موجب یہ ہے کہ دیت کا وجوب قاتل کے مال میں ہو لہٰذا ہم نے ایک موجب کو چھوڑ دیا لیکن دوسرا باقی رکھا یعنی دیت بچہ وغیرہ کے مال میں واجب کی کیونکہ یہ فعل عمد ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کی پہلی دلیل: وہ حدیث ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مجنون کی دیت اس کے عاقلہ پر لازم کی تھی اور یوں فرمایا کہ اس کا عمد اور خطاء دونوں برابر ہیں۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ بچہ رحم وشفقت کا محل ہے اور جب آپ نے عاقل خاطی پر اس کے معذور ہونے کی وجہ سے تخفیف کر کے دیت کو عاقلہ پر واجب کر دیا تو بچہ اس سے بھی زیادہ معذور ہے لہٰذا اس کو یہ تخفیف بدرجہ اولیٰ ملنی چاہیے۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قتلِ عمد نہیں کیونکہ ان دونوں کو علم وعقل نہیں ہے اور قتلِ عمد بغیر علم وعقل کے متحقق نہیں ہوسکتا۔

﴿الورقة السادسة فی الفقه (هداية رابع)﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۴ھ

الشق الاوّل ...... ومن اشترى ثوبا بدراهم فقال للبائع: أمسك هذا الثوب حتى أعطيك الثمن، فالثوب رهن لانه اتى بما ينبئ عن معنى الرهن ...... والعبرة فی العقود للمعانی حتى كانت الكفالة بشرط براءة الاصيل حوالة والحوالة فی ضد ذلك كفالة وقال زفر لا يكون رهنًا ومثله عن ابی يوسف ......الخ.

ترجم العبارة واشرحها لوضّح قول ابی يوسفؒ وزفرؒ بالدليل. وما هو دليل الجمهورؒ فی المسئلة المذكورة؟

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① عبارت کا ترجمہ ② مخطوطہ عبارت کی تشریح ③ مسئلہ کی وضاحت بالدلائل۔

جواب ...... ① **عبارت کا ترجمہ:۔** اور جس شخص نے دراہم کے بدلے کپڑا خریدا اور بائع سے کہا کہ یہ کپڑا اپنے پاس رکھ لے یہاں تک کہ میں تجھے ثمن دے دوں تو یہ کپڑا رہن ہے، اس لیے کہ وہ ایسے الفاظ لایا ہے (ذکر کیے ہیں) جو رہن کے معنی کی خبر دیتے ہیں اور عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے، حتی کہ کفالت اصیل کی براءت کی شرط پر حوالہ ہے اور حوالہ اس کی ضد میں کفالہ ہے۔ اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ رہن نہ ہوگا اور اسی کی مثل امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے منقول ہے۔

② **مخطوطہ عبارت کی تشریح:۔** اس عبارت کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ عقود ومعاملات میں الفاظ کی بجائے معنی ومفہوم کا اعتبار ہوتا ہے کہ ان الفاظ کا اصل مفہوم کیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ کفالہ میں اصیل بری نہیں ہوتا بلکہ اصیل وکفیل دونوں سے مطالبہ درست ہوتا ہے اور حوالہ میں اصیل بری ہو جاتا ہے لہٰذا اگر کفالہ میں اصیل کے بری ہونے کی شرط لگائی تو یہ کفالہ نہ رہے گا بلکہ حوالہ ہو جائے گا، اسی طرح اس کے برعکس حوالہ میں اصیل کی عدم براءت کی شرط لگا دی تو یہ حوالہ نہ رہے گا بلکہ کفالہ ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ عقود میں معانی کا اعتبار ہے الفاظ کا نہیں۔

③ **مسئلہ کی وضاحت بالدلائل:۔** مذکورہ مسئلہ میں ہمارے نزدیک یہ رہن ہے اور امام زفر وامام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ (اَمْسِكْ) میں رہن وودیعت دونوں کا احتمال ہے اور دونوں میں سے ودیعت ہلکی ہے کہ اس کا ضمان لازم نہیں ہوتا، اور ضابطہ ہے کہ جب دو معانی کا احتمال ہو اور اقویٰ واکثر کے اثبات کی دلیل موجود نہ ہو تو اس کو اخف واقل پر محمول کیا جاتا ہے، لہٰذا اس قول کو بھی ودیعت پر محمول کیا جائے گا۔ ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ جب مشتری نے امساکِ ثوب کی مدت (اعطاءِ ثمن) بیان کر دی تو رہن کا معنی خود بخود ظاہر ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مشتری کا ارادہ رہن کا ہے ودیعت کا نہیں۔ چنانچہ امسکہ بدینك او بمالك میں امام زفر رحمہ اللہ بھی رہن کے قائل ہیں کیوں کہ کپڑے اور دین کا تقابل رہن کی قوی دلیل ہے۔ ہماری دلیل یہی ہے کہ مشتری نے اگرچہ رہن

کے الفاظ نہیں بولے مگر اس نے رہن کا معنی ومفہوم ادا کیا ہے کیوں کہ اس نے ثمن کی ادائیگی تک کپڑا روکنے کا کہا ہے اور یہی رہن کی حقیقت ہے اور عقود میں معانی ومفہوم کا ہی اعتبار ہوتا ہے۔

الشق الثانی ...... ثم من احیاہ باذن الامام ملکه وان احیاہ بغیر اذنه لم یملکه عند ابی حنیفة وقالا یملکه۔

عرف ارض الموات وما معنی احیاء الموات ۔ وضح معنی الالفاظ الاتیة حریم، بیر عطن، بیر ناضح، قناة ۔(ص ۲۸۲۔رحمانیہ)(اشرف الہدایہ ج ۱۴ ص ۲۷)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) ارضِ موات کا تعارف (۲) احیاءِ موات کا معنی (۳) حریم، بیر عطن، بیر ناضح، قناۃ کی توضیح۔

جواب ...... ① **ارضِ موات کا تعارف:۔** ارضِ موات اس زمین کو کہتے ہیں جس کا کوئی مالک نہ ہو اور وہ پانی کے منقطع ہو جانے یا پانی کے چڑھ جانے یا پانی کے شدید نمکین ہونے کی وجہ سے ناقابلِ انتفاع ہو۔

② **احیاءِ موات کا معنی:۔** احیاء لغت میں زندگی دینا، زندہ کرنا اور باعتبار عرف احیاء کا معنی تصرف وانتفاع ہے تو احیاءِ موات کا معنی ناقابلِ انتفاع زمین کو قابلِ انتفاع بنانا ہے۔

③ **حریم، بیر عطن، بیر ناضح، قناۃ کی توضیح:۔** حریم: کنویں کے پاس کی وہ جگہ ہے جو کنویں کے حقوق ومنافع سے تعلق رکھے اور اس کو حریم اس لئے کہا گیا کہ دوسرے پر یہ حرام ہے کہ وہ اس جگہ کنواں کھودے یا کوئی اور تصرف کرے۔

بیر عطن: عطن کنویں کے اردگرد اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ اور بیر عطن سے مراد وہ کنواں جس کا مقصد صرف جانوروں کو پانی پلانا ہو، کھیتوں کی سیرابی اسکا مقصد نہ ہو۔ قناۃ: ایک کھلی ہوئی نہر کو کبھی اس کے اوپر پاٹ دیا جاتا ہے اس دوسرے حصہ کو قناۃ اور کاریز کہا جاتا ہے اسی طرح چھوٹی بند نالی کو بھی قناۃ اور کاریز کہا جاتا ہے۔

بیرِ ناضح: ناضح اس اونٹ کو کہتے ہیں جو اپنے اوپر پانی لاد کر عطن پر چھڑکاؤ کرے پھر اسکا اطلاق ہر اونٹ پر ہونے لگا خواہ وہ اپنے اوپر پانی لادے یا نہ لادے اور بیر ناضح وہ کنواں ہے جس پر رہٹ رکھ کر اونٹوں کو جوت کر پانی سے کھیتوں کو سیراب کیا جائے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۴ھ

الشق الاول ...... فصل فی کری الانهار: قال الانهار ثلاثة : نهر غیر مملوك لاحد ولم یدخل ماؤه فی المقاسم بعد کالفرات ونحوه ......الخ۔ اذکر اقسام الانهار الثلاثة مفصلا کما ذکر المصنف؟ ما هو الفاصل بین النهر العام والخاص؟ وما هو قول ابی یوسف فی هذا الموضوع؟ علی من تجب نفقات کری الانهار علی السلطان اوعلی عامة الناس؟ وضح معنی قول المصنف: وفی مثله قال عمر: لو ترکتم لبعتم اولادکم

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① انہارِ ثلاثہ کی تفصیل ② نہرِ عام وخاص میں فرق وفاصل ③ نہر کھودنے کا خرچ کس پر ہے؟ ④ وفی مثله قال عمر رضی الله عنه: لو ترکتم......الخ کا مطلب۔

جواب ...... ① **انہارِ ثلاثہ کی تفصیل:۔** مصنف نے نہر کی تین اقسام ذکر کی ہیں: ① وہ نہر جس کا کوئی مالک نہ ہو اور اس کے پانی سے براہِ راست زمینوں کو سیراب نہ کیا جاتا ہو جیسے دجلہ وفرات اور گنگا وجمنا وغیرہ۔ ② نہر عام ہو مگر مملوک ہو اور اس کا پانی لوگوں میں تقسیم شدہ ہو۔ ③ وہ نہر جو عام بھی ہو اور مملوک بھی ہو اور اس کا پانی تقسیم شدہ بھی ہو اور اس پر شفعہ بھی ہو سکتا ہو، گویا یہ نہر

ثانی سے خاص ہے۔

② نہر عام وخاص میں فرق وفاصل:۔ ابھی وضاحت گزر چکی ہے کہ نہر عام میں شفعہ نہیں ہوسکتا اور نہر خاص میں شفعہ ہوسکتا ہے۔

③ نہر کھودنے کا خرچ کس پر ہے؟ پہلی قسم کی نہر کھودنا امام کا فریضہ ہے جس کو بیت المال سے کھدوایا جائے گا، اگر بیت المال میں مال نہ ہو تو پھر لوگوں کو مجبور کیا جائے گا کہ کھودنے والے کھودیں اور جو نہیں کھود سکتے ان پر خرچہ لازم کیا جائے گا۔ نہر کی دوسری قسم کو وہی لوگ کھودیں گے جن کا اس میں حق ہے، اس کا کھودنا بادشاہ وامام کے ذمہ نہیں ہے، البتہ جو نہ کھودیں بادشاہ ان کو مجبور کرے گا۔ تیسری قسم کا بھی یہی حکم ہے، مگر اس میں ایک قول یہ ہے کہ نہ کھودنے والے کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

④ **وفي مثله قال عمرؓ لو تركتم...... الخ** کا مطلب:۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نہر کی پہلی قسم بیت المال سے کھدوائی جائے، اگر بیت المال میں مال میسر نہ ہو تو مصلحتِ عامہ کے لیے لوگوں کو اس کام پر مجبور کیا جائے گا کیوں کہ اگر لوگوں کو مجبور نہ کیا جائے تو از خود یہ کام نہ کریں گے جس سے ضرر واقع ہوگا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کے بغیر لوگ تنہا از خود اپنے امور کو انجام نہیں دے سکتے۔

الشق الثاني ...... **ويقتل الحر بالحر والحر بالعبد والمسلم بالذمي۔** (ص ۵۵۶۔ رحمانیہ)

من اى باب اقتبست هذه العبارت ؟ اشرح نفس المسئلة ۔ هل يقتل الحر بالعبد وهل يقتل المسلم بالذمي ۔ اكتب اختلاف الفقهاء فى المسئلتين مع الدلائل وترجيح ماهو الراجح (اشرف الہدایہ ج ۱۵ ص ۳۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں چار امور توجہ طلب ہیں (۱) عبارت مذکورہ کے باب کی نشاندہی (۲) مسئلہ کی تشریح (۳) حر کو عبد کے بدلہ میں مسلم کو ذمی کے بدلہ میں قتل کرنے میں اختلاف مع الدلائل (۴) راجح کی ترجیح۔

جواب ...... ① عبارت مذکورہ کے باب کی نشاندہی:۔ عبارت مذکورہ کا تعلق **باب مايوجب القصاص و ما لايوجبه** سے ہے۔

② مسئلہ کی تشریح:۔ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آزاد شخص کسی آزاد شخص کو جان بوجھ کر قتل کردے یا آزاد شخص کسی غلام کو قتل کردے یا کوئی مسلمان جان بوجھ کر کسی ذمی کو قتل کردے تو ان تمام صورتوں میں احناف کے نزدیک قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ (باقی اس مسئلہ کی مزید تشریح ابھی ذکر کی جائے گی)۔

③ حر کو عبد کے بدلہ میں مسلم کو ذمی کے بدلہ میں قتل کرنے میں اختلاف مع الدلائل:۔ اگر کوئی شخص کسی محفوظ الدم کو جان بوجھ کر قتل کردے تو دیکھا جائیگا کہ قاتل اور مقتول دونوں آزاد ہیں یا دونوں غلام ہیں۔ اگر تو دونوں آزاد ہیں یا دونوں غلام ہیں تو بالاتفاق قاتل سے قصاص لیا جائے گا اسی طرح اگر قاتل غلام ہے اور مقتول آزاد ہے تو بھی بالاتفاق اس غلام قاتل سے قصاص لیا جائے گا البتہ چوتھی صورت کہ قاتل آزاد ہے اور مقتول غلام ہے تو اس صورت میں آزاد سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں اس میں احناف وشوافع کا اختلاف ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان نے ذمی کو جان بوجھ کر قتل کردیا تو مسلمان سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ احناف قصاص کے قائل ہیں جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قائل نہیں۔

احناف رحمہم اللہ کی دلیل: قصاص کے دلائل کا عموم ہے جیسے **كتب عليكم القصاص فى القتلى، وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس ،العمد قود** ۔ ان تمام نصوص میں کوئی قید نہیں ہے لہٰذا یہ قتلِ عمد کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل: ① **الحر بالحر والعبد بالعبد** اس آیت میں حر کا حر سے اور عبد کا عبد سے تقابل کیا گیا

ہے جو یہ انکار رہا ہے کہ غلام کے بدلہ میں حر یعنی آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ② قصاص کے لئے ضروری ہے کہ قاتل اور مقتول کے درمیان مساوات ہو اور مالک و مملوک، قادر و عاجز (یعنی آزاد اور غلام میں) کوئی مساوات نہیں ہے لہٰذا قصاص بھی نہ ہوگا۔

③: قیاس بھی ہے کہ اگر آزاد شخص کسی غلام کا کوئی عضو کاٹ دے تو قصاص میں آزاد کا عضو نہیں کاٹا جائے گا حالانکہ نفس عضو سے زیادہ محترم ہے تو جب عضو میں قصاص نہیں لیا گیا تو نفس کے اندر بدرجہ اولیٰ قصاص نہیں لیا جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی نقلی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ آیت میں جتنی بات مذکور ہے وہی مقصود آیت ہے اور حر بالعبد کا ذکر اس میں نہیں ہے تو مذکور غیر مذکور کی نفی نہ کرے گا کیونکہ حنفیہ مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے۔

اگر کسی مسلمان نے ذمی کو (جو دارالاسلام میں اجازت سے رہ رہا ہے) عمداً قتل کر دیا تو ذمی کے بدلہ میں قصاصاً مسلمان کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے۔ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مسلمان کو قصاصاً ذمی کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا جبکہ شوافع رحمہم اللہ کے ہاں ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل: یہ حدیث ہے **لا یقتل مؤمن بکافر**۔ اس سے صاف واضح ہے کہ کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ذمی کافر ہے اور بوقت قتل کفر اس میں موجود ہے اور کفر فی نفسہ دم کی اباحت کا سبب ہے تو اس میں عدم مساوات کا شبہ موجود ہے اور جب شبہ پایا گیا تو قصاص ساقط ہو گیا۔

احناف کی دلیل دار قطنی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ذمی کے قتل میں قصاصاً قتل کیا تھا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ یہاں کافر سے مراد کافر حربی ہے اور اس کے بدلہ میں مسلمان کے عدم قتل کے ہم بھی قائل ہیں۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں **ولا ذو عهدٍ فی عهده** کہ ذمی کو بھی کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا حالانکہ اگر ذمی ذمی کو قتل کرے تو بالاتفاق قصاص واجب ہے پس معلوم ہوا کہ یہاں کافر سے مراد حربی ہے۔

④ **راجح کی ترجیح:** احناف کا مذہب راجح ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں اور مسلم کو ذمی کے بدلہ میں قصاصاً قتل کیا جائے گا اس لئے کہ آزاد و غلام کے درمیان اور مسلم و ذمی کے درمیان مساوات پائی گئی ہے جو قصاص کے لئے قاتل اور مقتول کے درمیان ہونی چاہیے، اس لئے کہ آزاد اور غلام، مسلم اور ذمی دونوں معصوم الدم ہیں کیونکہ عصمت کا حصول اسلام اور دارالاسلام سے ہوتا ہے اور یہاں آزاد اور غلام دونوں مسلمان ہیں اور دونوں دارالاسلام میں ہیں تو یہ دونوں معصوم ہوئے اور دونوں کے درمیان مساوات ہے لہٰذا غلام کے بدلہ میں آزاد سے قصاص لیا جائے گا، اسی طرح مسلمان اور ذمی کے درمیان اگرچہ عصمت کا پہلا سبب اسلام نہیں ہے لیکن دوسرا سبب دارالاسلام موجود ہے لہٰذا مسلمان اور ذمی دارالاسلام میں موجود ہونے کی وجہ سے معصوم ہیں اور ان میں مساوات ہے لہٰذا ذمی کے بدلہ میں مسلمان سے بھی قصاص لیا جائے گا۔

﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣٤ھ

الشق الاول ...... اَلْاَشْرِبَةُ الْمُحَرَّمَةُ اَرْبَعَةٌ اَلْخَمْرُ وَهِیَ عَصِیْرُ الْعِنَبِ اِذَا غَلٰی وَاشْتَدَّ وَ قَذَفَ بِالزَّبَدِ وَالْعَصِیْرُ اِذَا طُبِخَ حَتّٰی یَذْهَبَ اَقَلُّ مِنْ ثُلُثَیْهِ وَنَقِیْعُ التَّمْرِ وَهُوَ السُّكْرُ وَنَقِیْعُ الزَّبِیْبِ اِذَا اشْتَدَّ وَ غَلٰی۔ (ص ۴۹۵۔ رحمانیہ)

اضبط العبارة المذكوره بالشكل وترجمها الى الاردية ۔ اكتب ماهية الخمر ولماذا سمى الخمر خمرا وماهو الاختلاف بين العلماء؟ اكتبه بالدلائل ورجح ماهو الراجح فى ضوء الادلة۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۴ ص ۶۹)

﴿خلاصہ سوال﴾ ...... اس سوال میں چھ امور حل طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) خمر کی ماہیت

(۴) خمر کی وجہ تسمیہ (۵) خمر کے متعلق اختلاف مع الدلائل (۶) دلائل کی روشنی میں راجح کی ترجیح۔

جواب...... ① عبارت پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ جو شرابیں حرام ہیں وہ چار ہیں۔ پہلی خمر ہے اور وہ انگور کا نچوڑ اور شیرہ ہے جبکہ جوش مارے اور تیز ہو جائے اور جھاگ مارے۔ دوسری قسم بھی انگور کا شیرہ ہے جبکہ اس کو پکا دیا جائے یہاں تک کہ اس کے دو ثلث سے کم ختم ہو جائے اور تیسری قسم نقیع التمر ہے اور وہ سکر ہے اور چوتھی قسم نقیع زبیب ہے جبکہ وہ تیز ہو جائے اور جوش مارے۔

③ خمر کی ماہیت:۔ خمر انگور کا کچا پانی جبکہ وہ جوش مارنے لگے، جھاگ پھینکے اور مسکر ہو جائے۔

④ خمر کی وجہ تسمیہ:۔ خمر کو خمر اس لئے کہتے ہیں کہ خمر تخمر سے مشتق ہے اور تخمر کے معنی شدت وقوت کے ہوتے ہیں چونکہ انگور کے کچے پانی سے بھی شدت اور قوت آتی ہے اس لئے اسے خمر کہتے ہیں اور بعضوں نے مخامرہ بمعنی عقل کو بگاڑنا سے مشتق مانا ہے چونکہ شراب کے پینے سے عقل میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اُسے خمر کہتے ہیں۔

⑤ خمر کے متعلق اختلاف مع الدلائل:۔ اس بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ ہر مسکر مشروب کو خمر کہیں گے یا انگور کا کچا پانی جب جوش مارے اور جھاگ پیدا کرے صرف اسی کو خمر کہا جاتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور اصحاب ظواہر رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر مسکر خمر ہے جبکہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک انگور کا پانی جب اوصاف مذکورہ کا حامل ہو تو وہ خمر ہو گا باقی کو خمر نہیں کہیں گے۔

ائمہ ثلاثہ نے اپنے دعویٰ پر تین دلیلیں پیش کی ہیں ① کل مسکر خمر (الحدیث) یعنی ہر نشہ لانے والی شئ شراب ہے ② حدیث میں ہے الخمر من هاتين الشجرتين یعنی ان دونوں درختوں (انگور اور کھجور) سے جو بنے وہ خمر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خمر کا اطلاق انگور کی شراب کے علاوہ دوسری شرابوں پر بھی ہوتا ہے ③ خمر مخامرۃ العقل سے مشتق ہے یعنی عقل کا مستور و مغلوب ہو جانا اور یہ کیفیت ہر شراب سے ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر مسکر خمر ہے۔

احناف نے بھی دو دلیلیں پیش کی ہیں ① اہل لغت کا اتفاق ہے کہ خمر صرف انگور کی شراب کا نام ہے کیونکہ خمر کا استعمال اسی انگور کی شراب میں معروف و مشہور ہے اور اس کے علاوہ دیگر مشروبات کے نام علیحدہ ہیں جیسے نقیع وغیرہ ② خمر کی حرمت قطعی ہے اور غیر خمر کی حرمت ظنی ہے۔ اگر انگور کی شراب کے علاوہ دیگر شرابوں کو خمر کہا جائے گا تو اس کی حرمت قطعی ماننی ہو گی حالانکہ یہ بے دلیل ہے اور صحیح نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی پہلی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ اس پر یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے طعن کیا ہے اور مطعون حدیث قابل استدلال نہیں ہوتی۔

دوسری دلیل کا جواب: آپ ﷺ نے خمر کی حرمت کو بیان کیا ہے نہ کہ اس کی تخلیق کو کیونکہ آپ ﷺ شرائع کو بیان کرنے کے لئے آئے ہیں نہ کہ اشیاء کی تخلیق کو کیونکہ ان اشیاء کی تخلیق لوگوں کو خود معلوم ہے۔ تیسری دلیل کا جواب: خمر تخمر سے مشتق ہے نہ کہ مخامرۃ سے اور تخمر کا معنی شدت اور قوت ہے اور یہ معنی صرف انگور کی شراب میں ہے کیونکہ وہ سب سے قوی اور مقوی ہوتی ہے۔

⑥ دلائل کی روشنی میں راجح کی ترجیح:۔ احناف کا مذہب راجح ہے اس لئے کہ اہلِ لغت کا اتفاق اس کے لئے مؤید ہے جبکہ ائمہ ثلاثہ کے دلائل بذاتہ قابلِ استدلال نہیں ہیں اور نیز ان کے لئے کوئی مؤید بھی نہیں ہے۔

الشق الثانی...... والعاقلة اهل الديوان ان كان القاتل من اهل الديوان يؤخذ من عطايلهم فى ثلاث سنين واهل الديوان اهل الرايات وهم الجيش الذين كتبت اساميهم فى الديوان وهذا عندنا ۔ (ص ۶۳۶ ۔ رحمانیہ)

هذه العبارة منكتاب المعاقل هل تعرف معنى المعاقل ؟ ولماذا تسمى الدية عقلا ؟ الدية على العاقلة ام على اهل العشيرة ؟ اكتب اختلاف الأئمة ووضح الامر فى ضوء الأدلة ۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۶ ص ۵۲)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) معاقل کا معنی (۲) دیت کو عقل کہنے کی وجہ (۳) عاقلہ یا اہلِ خاندان پر دیت کے وجوب میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب...... ❶ معاقل کا معنی:۔ مَعَاقِلُ مَعْقُلَةٌ کی جمع ہے اور معقلہ کے معنی دیت کے ہیں اس سے مراد اہلِ معاقل ہیں کیونکہ عام طور پر مصنفین مضاف کو حذف کر دیتے ہیں تو کتاب العاقل کی اصل کتاب اہل المعاقل ہے۔

❷ دیت کو عقل کہنے کی وجہ:۔ دیت کو عقل اس لئے کہتے ہیں کہ عقل کا معنی ہے روکنا چونکہ دیت بھی خون بہانے سے روک دیتی ہے اس لئے دیت کو عقل کہتے ہیں۔

❸ عاقلہ یا اہلِ خاندان پر دیت کے وجوب میں اختلاف مع الدلائل:۔ دیت چونکہ نصرت کی بناء پر ہوتی ہے اور نصرت جس طرح اہل عشیرہ سے متحقق ہوتی ہے اسی طرح اہلِ دیوان وغیرہ سے بھی ہوتی ہے اسلئے احناف کے نزدیک دیت اہلِ دیوان یعنی عاقلہ پر ہوگی نہ کہ اہلِ عشیرہ پر۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اہلِ دیوان پر دیت واجب نہ ہوگی بلکہ دیت کا وجوب خاندان کے لوگوں پر ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی پہلی دلیل: یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیت صرف خاندان وقبیلہ پر ہی واجب ہوتی تھی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تو یہ حکم منسوخ بھی نہیں ہوسکتا۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ دیت ایک صلہ ہے اور صلہ کے حقدار اقارب ہی ہوا کرتے ہیں لہٰذا دیت اقارب پر واجب ہوگی۔

احناف کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اہلِ دیوان پر دیت کے واجب ہونے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اسلئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب رجسٹروں کو مدون کیا تو اہلِ دیوان پر دیت مقرر فرمادی اور آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا جس پر کسی نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا اس کو نسخ کہنا غیر مناسب ہے بلکہ یہ حکم اصلی کا اثبات اور اسکی تقریر ہے۔ اسلئے کہ دیت کا وجوب اہل نصرت پر ہے اور اہلِ نصرت کی چند قسمیں ہیں ① قرابت ② حلیف۔ جسے ولاء الموالات کہتے ہیں ③ کبھی نصرت دارِ عتاقہ کی وجہ سے ہوتی ہے ④ کبھی نصرت کسی قوم میں رہنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بہر حال نصرت کی یہ مختلف انواع ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نصرت دیوان کی وجہ سے ہوگئی تو یہ اہلِ دیوان پر دیت کا وجوب نسخ نہیں ہے بلکہ حکم اصلی کے معنی کا لحاظ ہے۔

﴿الورقة السادسة فی الفقه (هدایه رابع)﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاوّل...... ولو تهايئا فی دار واحدة علی أن يسكن هذا طائفة وهذا طائفة ، أو هذا علوها وهذا سفلها جاز ، لأن القسمة علی هذ الوجه جائزة ، فكذا المهايأة ، والتهايؤ فی هذا الوجه افراز لجميع الأنصباء لامبادلة ولهذا لايشترط فيه التأقيت ۔(ص۴۲۱۔رحمانیہ)

ما الفرق بين القسمة والمهايأه؟ كم قسمًا للمهايأه ۔ اشرح العبارة المذكورة شرحًا وافيًا (اشرف الہدایہ ج۱۳ص۱۵۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا خلاصہ تین امور ہیں (۱) قسمة ومهاياة میں فرق (۲) مهاياة کی اقسام (۳) عبارت کی تشریح۔

جواب...... ❶ قسمة ومهاياة میں فرق:۔ اعیان کی تقسیم کو قسمة اور اعراض ومنافع کی تقسیم کو مهاياة کہتے ہیں۔

❷ مهاياة کی اقسام:۔ مهاياة کی دو قسمیں ہیں۔ ① مهاياة فی الزمان کا مطلب یہ ہے کہ دونوں شریک زمان و وقت کے اعتبار سے منافع کی تقسیم کریں مثلاً ایک مکان میں دو آدمی شریک وحصہ دار ہیں اور وہ اس مکان میں سکونت والے منافع کی تقسیم اس طور پر کرتے ہیں کہ مثلاً پہلے ایک شریک ایک ماہ تک اس مکان میں رہائش پذیر رہے گا اور پھر دوسرا شریک ایک ماہ تک

اس میں رہائش پذیر رہے گا ② مہایاۃ فی المکان کا مطلب یہ ہے کہ دونوں شریک ایک ہی وقت میں ایک ایک حصہ سے نفع حاصل کریں مثلاً ایک مکان کے ایک حصہ میں رہے اور دوسرا مکان کے دوسرے حصہ میں رہے یا ایک اوپر اور دوسرا نیچے رہے۔

③ **عبارت کی تشریح:۔** اس عبارت میں مہایاۃ کی دوسری قسم مہایاۃ فی المکان کا ذکر ہے کہ اگر دونوں شریک ایک ہی گھر میں اس طور پر مہایاۃ کریں کہ یہ اس حصہ میں اور یہ اُس (دوسرے) حصہ میں رہے گا یا یہ اس گھر کے علو (اوپر والے حصہ) میں رہے گا اور یہ اس گھر کے سفل (نیچے والے حصہ) میں رہے گا تو یہ مہایاۃ جائز ہے کیونکہ اگر وہ اس طرح مکان کی تقسیم کرتے تو یہ جائز تھی پس مہایاۃ بھی جائز ہوگی۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ تقسیم میں افراز (اپنے عینِ حق کو لینا) اور مبادلہ (اپنے حق کے بدلہ دوسرے کے حق کو لینا) دونوں پہلو ہوتے ہیں کہیں افراز راجح ہوتا ہے اور کہیں مبادلہ، مگر مہایات کی اس صورت میں مبادلہ نہیں بلکہ افراز ہی ہے اور اگر مہایاۃ دار واحدہ میں دو زمانوں میں ہو تو وہ مبادلہ ہے افراز نہیں ہے گویا کہ ہر ایک اپنی باری میں دوسرے کا حصہ قرض لے رہا ہے، بہرحال صورتِ مذکورہ کو مبادلہ نہیں کہا جائے گا ورنہ جنسِ واحد میں شبہ ربوا کی وجہ سے مبادلہ صحیح نہیں ہوتا۔

نیز اگر یہ مبادلہ ہوتا تو اس میں وقت کی تعیین ضروری ہوتی کیونکہ مبادلہ کی صورت میں منافع کی تملیک بالعوض ہوتی تو وہ اجارہ کے حکم میں ہوتا جس میں تعیینِ وقت ضروری ہے۔

الشق الثانی ...... **واذا رمى صيدا فقطع عضوا منه اكل الصيد ولا يؤكل العضو وقال الشافعیؒ اكل ان مات الصيد منه لأنه مبان بذكاة الاضطرار فيحل المبان والمبان منه كما اذا ابين الرأس بذكاة الاختيار بخلاف ما اذا لم يمت لانه ما ابين بالذكاة.** (ص۵۱۴۔رحمانیہ)

اكتب معنى الصيد وهل الاصطياد مباح اذكر دلائل الاباحة۔ ترجم العبارة المذكورة الى الاردية۔ اكتب المسئلة المذكورة مع اختلاف الائمة والدلائل۔ (اشرف الہدایہ ج۱۴ ص۱۳۶)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حاصل چار امور ہیں (۱) صید کا لغوی معنی (۲) اصطیاد کی اباحت کے دلائل (۳) عبارت کا ترجمہ (۴) مسئلہ مذکورہ میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب ...... ① **صید کا معنی:۔** صید کا لغوی معنی شکار کرنا ہے اور اصطلاح میں صید وہ جانور ہے جس کا شکار کیا جائے۔

② **اصطیاد کی اباحت کے دلائل:۔** صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ نے شکار کی اباحت وجواز کے پانچ دلائل ذکر کیے ہیں۔ ① **واذا حللتم فاصطادوا** حلال ہونے کی حالت میں شکار حلال ہے ② **وحرم عليكم صيد البر مادمتم حرما** احرام کی حالت میں شکار حرام ہے، معلوم ہوا کہ اسکے علاوہ حلال ہے ③ آنحضرت ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ **اذا ارسلت كلبك المعلم وذكرت اسم الله عليه فكل وان اكل منه فلا تأكل** کہ جب تو اللہ کا نام لیکر اپنا سکھایا ہوا کتا چھوڑے تو اس کے شکار کو کھالے اور اگر کتے نے اس شکار میں سے کھالیا ہو تو پھر مت کھا ④ شکار کی اباحت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے ⑤ شکار کرنا کمائی کا ایک طریقہ ہے اور یہ جائز ہے نیز شکار کرنے میں حیوان کو اس چیز میں استعمال کرنا ہے جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

③ **عبارت کا ترجمہ:۔** اور جب شکاری نے شکار کو تیر مارا اور اس کا ایک عضو کٹ کر گر گیا تو شکار کو کھایا جائے گا بیان کردہ دلیل کی وجہ سے، اور عضو کو نہیں کھایا جائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں کھائے جائینگے اگر اس قطع سے شکار مر گیا ہو اسلئے کہ یہ عضو ذکاۃِ اضطراری سے جدا کیا گیا ہے، پس یہ عضو جس کو جدا کیا گیا ہے اور وہ جسم جس سے جدا کیا گیا ہے دونوں حلال ہونگے جیسا کہ جب جدا کیا گیا ہو سر کو ذکاۃِ اختیاری کے ساتھ، بخلاف اس صورت کے جب شکار نہ مرا ہو اسلئے کہ وہ عضو ذکاۃ کے ذریعہ جدا نہیں کیا گیا ہے۔

❹ مسئلہ مذکورہ میں اختلاف مع الدلائل:۔ اگر شکار کو تیر مارا جس سے شکار کے بدن کا کوئی ٹکڑا کٹ کر گر گیا تو اب کیا حکم ہے؟ تو فرمایا کہ شکار تو بالاتفاق حلال ہے کیونکہ جب عضو کٹ گیا تو جرح (جو حلت کی شرط تھی) پایا گیا لہٰذا شکار حلال ہو گیا، اب رہا مسئلہ اس ٹکڑے کا جو کٹ کر گرا ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے اور امام شافعی ﷫ کے مذہب میں تفصیل ہے کہ اگر شکار اس کے بعد زندہ ہو اور نہ مرے تو حلال نہیں ہے اور اگر مر جائے تو وہ عضو حلال ہے جیسے شکار حلال ہے اول کو مبان اور ثانی کو مبان منہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

امام شافعی ﷫ دلیل میں فرماتے ہیں کہ اگر ذکاۃ اختیاری میں سر الگ ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک بھی دونوں کو کھانا حلال ہے کیونکہ ذکاۃ اختیاری میں کبھی ایسا ہو جاتا ہے اسی طرح ذکاۃ اضطراری میں کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ کوئی عضو جدا ہو جائے تو یہ بھی حلال ہو گا لیکن شرط وہی ہے کہ جانور مر گیا ہو اور جب شکار مرا نہ ہو تو ذکاۃ نہیں ہوئی اس لئے عضو نہیں کھایا جائے گا۔

ہماری دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے **ما ابین من الحی فھو میت** کہ جو عضو زندہ کے بدن سے جدا کیا گیا ہو وہ حرام ہے اس حدیث میں آپ ﷺ نے حیّ (زندہ) کا لفظ مطلق ذکر کیا ہے لہٰذا اس کا فردِ کامل مراد ہو گا اور حیّ کا فردِ کامل وہ ہو گا جو حقیقتاً وحکماً دونوں طرح زندہ ہے۔ حقیقتاً کا مطلب یہ ہے کہ وہ فی الحال زندہ ہو اور حکماً کا مطلب یہ ہے کہ وہ آئندہ زندہ رہ سکتا ہو اور ہمارے اس مختلف فیہ مسئلہ میں شکار حقیقی وحکمی دونوں طرح زندہ ہے اور زندہ کے بدن کا ٹکڑا حرام ہے، پس یہ عضو بھی حرام ہو گا اور اسکے حکمی طور پر زندہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ اسی زخمی حالت میں پانی میں گر کر مر جائے تو وہ حرام ہے اور یوں کہا جائیگا کہ پانی نے اس کو ہلاک کر دیا ہے پس معلوم ہوا کہ شریعت نے اسکی زندگی کا اعتبار کیا ہے اور زندہ حیوان کا عضو بنص حدیث حرام ہے۔

امام شافعی ﷫ کی دلیل (ذکاۃ اضطراری) کا جواب یہ ہے کہ جب شکار ابھی زندہ ہے اور اس میں روح باقی ہے تو آپ ابھی سے اس کو ذکاۃ کیسے کہہ سکتے ہیں کیونکہ جس وقت عضو جدا ہوا ہے اس وقت شکار زندہ ہے اور اس میں روح باقی ہے لہٰذا اس کو ذکاۃ اضطراری قرار نہیں دیا جا سکتا۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاول ......**واذاغلط رجلان فذبح کل واحد منھما اضحیۃ الآخر اجزا عنھما ولا ضمان علیھما۔**

وضّح المسئلۃ مع حکمھا واختلاف الامام زفر فی حکمھا۔ فی المسئلۃ المذکورۃ قیاس واستحسان اذکر وجہ کل واحد منھما اکتب معانی الالفاظ الآتیۃ۔① العرجاء ② العجفاء ③ الجماء ④ الثولاء ⑤ الجرباء ⑥ الھتماء

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① غلطی سے ایک دوسرے کی قربانی ذبح کرنے کے حکم میں اختلاف ② قیاس واستحسان کی وجہ ③ الفاظِ مذکورہ کے معانی۔

جواب ...... ❶ غلطی سے ایک دوسرے کی قربانی ذبح کرنے کے حکم میں اختلاف:۔ دو آدمیوں نے قربانی کے لیے اپنا اپنا جانور خریدا اور غلطی سے ایک دوسرے کا جانور ذبح کر دیا تو ہمارے نزدیک ہر ایک کی قربانی جائز ہے اور کسی پر بھی ضمان لازم نہیں ہے اور استحسان بھی یہی ہے۔ امام زفر ﷫ کے نزدیک کسی کی قربانی بھی جائز نہیں ہے اور ہر ایک پر ضمان لازم ہے اور قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔

❷ قیاس واستحسان کی وجہ:۔ قیاس یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے کا جانور مثلاً کوئی آدمی قصائی کا جانور اس کی اجازت کے بغیر ذبح کر دے تو اس پر ضمان لازم ہے اسی طرح یہاں بھی ہر ایک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کا جانور ذبح کیا ہے لہٰذا

ہرایک پر ضمان بھی لازم ہے اور قربانی بھی جائز نہیں ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر جانور جس کام کے لیے متعین تھا وہ کام ہو گیا یعنی ہر جانور ذبح کر دیا گیا ہے کیوں کہ جو جانور قربانی کے لیے متعین ہو اس میں گویا مالک دلالۃً ہر اس شخص سے مدد طلب کرتا ہے جو ذبح کرنے کا طریقہ جانتا ہو اور ذبح کا اہل ہو گویا وہ شخص دلالۃً ہر ایسے شخص کو ذبح کرنے کی اجازت دے رہا ہے، کیوں کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ ایام نحر کے گزر جاتے ہی قربانی فوت ہو جاتی ہے اور بسا اوقات آدمی خود قربانی کرنے سے عاجز ہوتا ہے تو اس کو دوسروں سے مدد لینا پڑتی ہے تو مذکورہ صورت کا حکم بالکل اس طرح ہے کہ کسی قصائی نے بکری وغیرہ کے پیر باندھ کر ذبح کی تیاری کی کہ کسی دوسرے آدمی نے بسم اللہ پڑھ کر چھری پھیر دی تو اس چھری پھیرنے والے پر ضمان لازم نہیں ہے کیوں کہ اس نے قصائی کی مدد کی ہے، لہٰذا یہاں بھی اسی طرح ہوا ہے اور کسی پر بھی ضمان لازم نہیں ہے اور ہر ایک کی قربانی درست ہے۔

(۳) مذکورہ الفاظ کے معانی:۔ العرجاء: وہ لنگڑا جانور جو مذبح تک نہ جا سکے۔ الجرباء: خارشی جانور۔

العجفاء: وہ جانور جو بہت دبلا اور کمزور (مریل) ہو۔ الجماء: وہ جانور جس کے سینگ نہ ہوں۔

الثولاء: مجنون جانور جو خواہ مخواہ ادھر اُدھر بھاگتا پھرے۔ الهتماء: وہ جانور جس کے دانت نہ ہوں۔

الشق الثانی ......واذا تخللت الخمر حلت سواء صارت خلا بنفسها او بشئ يطرح فيها ولا يكره تخليلها وقال الشافعي ؒ يكره التخليل ولا يحل الخل الحاصل به ان كان التخليل بالقاء شئ فيه قولا واحدا وان كان بغير القاء شئ فيه فله فى الخل الحاصل به قولان ۔ (ص ۵۰۲۔ رحمانیہ) (اشرف الہدایہ ج ۱۴ ص ۸۹)

اكتب اختلاف الائمة فى المسئلة المذكورة مع سرد الادلة ۔ هل يحد شارب دردی الخمر عند الحنفية ام۔

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) تخلیل خمر میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل (۲) خمر کا تلچھٹ پینے والے پر حد کا حکم۔

جواب...... (۱) تخلیل خمر میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ خمر از خود سرکہ بن جائے یا کسی چیز کے اس میں ڈالنے سے وہ سرکہ بنے بہر صورت وہ حلال ہے اس کے سرکہ بنانے میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔

امام شافعی ؒ کے نزدیک سرکہ بنانا مطلقاً مکروہ ہے البتہ حاصل شدہ سرکہ میں اگر کوئی چیز ڈال کر اس کو سرکہ بنایا گیا تو یہ سرکہ حلال نہیں ہے اور اگر کچھ ڈالے بغیر سرکہ بنا ہے اس میں حلال ہونے اور حلال نہ ہونے کے دونوں قول ہیں۔

امام شافعی ؒ کی دلیل: یہ ہے کہ جب خمر سے سرکہ بنایا جائے گا تو یہ خمر سے تموّل کے طریقہ پر قرب و نزدیکی ہے حالانکہ ہمیں خمر سے اجتناب کا حکم ملا ہے تو یہ حکم اجتناب اور اس سے نزدیکی میں منافات ہے۔ احناف کی دلیل: یہ ہے کہ حدیث میں سرکہ کو عمدہ و بہترین سالن قرار دیا گیا ہے لہٰذا سرکہ بنانا حلال ہونا چاہیے کیونکہ اس کے ذریعہ وصف مفسد زائل ہو کر وصف صالح پیدا ہوتا ہے یعنی اس سے صفراء کو تسکین ملتی ہے، شہوت ٹوٹتی ہے اور اس سے غذاء حاصل ہوتی ہے اور ایسی اصلاح درست ہے۔

نیز یہ انسانی مصالح میں کام آنے کے قابل بنے گا تو جیسے از خود خمر سے بنا ہوا سرکہ حلال ہے اسی طرح اس کو بھی حلال ہونا چاہیے اور جیسے مردار کا چمڑا دباغت دینے سے پاک ہو جاتا ہے اور اسکو بلا کراہت دباغت دینا جائز ہے ایسے ہی یہاں بھی ہونا چاہیے اور جب حرام چیز سے قرب اسکے فساد کو دور کرنے کیلئے ہو تو ایسا اقتراب جائز ہے جیسے اگر شراب کو بہانا ہو تو اس سے بالاتفاق اقتراب جائز ہے۔

(۲) خمر کا تلچھٹ پینے والے پر حد کا حکم:۔ احناف کے نزدیک خمر کا تلچھٹ پینے والے پر حد نہیں آئے گی بشرطیکہ اس سے سکر و نشہ پیدا نہ ہو، اگر اس کے پینے سے نشہ و سکر پیدا ہو جائے تو پھر حد جاری کی جائے گی کیونکہ اس کو خمر والا حکم نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ اس سے طبیعتیں نفرت کرتی ہیں لہٰذا یہ خمر ناقص ہے پس یہ خمر کے علاوہ دیگر شرابوں کے حکم میں ہو گیا اور وہاں سکر کے بغیر حد نہیں ہے

لہٰذا تلچھٹ میں بھی یہی حکم ہوگا۔ نیز اس میں تہ میں بیٹھی ہوئی گاد ہے اور اسی کا غلبہ ہے تو یہ ایسے ہوگیا جیسے خمر پر پانی کا غلبہ ہوگیا ہو جیسے اس کے شارب پر حد نہیں ہے اسی طرح تلچھٹ کے شارب پر بھی حد نہیں ہونی چاہیے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تلچھٹ پینے والے پر حد جاری ہوگی اسلئے کہ اس میں خمر کے اجزاء موجود ہیں لہٰذا اس پر خمر کا حکم جاری ہوگا۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۵ھ

الشق الاول ...... وَلَا يُؤْكَلُ مِنْ حَيَوَانِ الْمَاءِ إِلَّا السَّمَكُ وَقَالَ مَالِكٌ وَجَمَاعَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ بِإِطْلَاقِ جَمِيْعِ مَافِي الْبَحْرِ وَاسْتَثْنٰى بَعْضُهُمُ الْخِنْزِيْرَ وَالْكَلْبَ وَالْإِنْسَانَ وَعَنِ الشَّافِعِيِّ اَنَّهُ اَطْلَقَ ذٰلِكَ كُلَّهُ ...... وَيُكْرَهُ اَكْلُ الطَّافِيْ مِنْهُ وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رحمهما الله تعالىٰ لَابَاْسَ بِهٖ ۔ (ص ۴۴۱ ۔ رحمانیہ)

شکل العبارة المذكورة ۔ هل تعرف الحلال والحرام من حيوانات البحر؟ اكتب اختلاف الفقهاء مع الدلائل ۔ ماهو السمك الطافى؟ اذكر حكمه ۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۳ ص ۲۳۲)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور حل طلب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) بحری جانوروں کے حلال وحرام ہونے میں اختلاف مع الدلائل (۳) سمک طافی کی تعریف وحکم۔

جواب ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ كمامرّ فى السوال آنفا۔

❷ بحری جانوروں کے حلال وحرام ہونے میں اختلاف مع الدلائل:۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک تمام سمندری جانور حلال ہیں البتہ اس میں تھوڑی سی تفصیل ہے کہ شوافع رحمہم اللہ کے نزدیک صرف مینڈک مستثنیٰ ہے۔

مالکیہ رحمہم اللہ کے نزدیک بحری انسان، بحری کتا اور بحری خنزیر اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک تمام بحری جانور حلال ہیں۔ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک صرف مچھلی حلال ہے باقی تمام بحری جانور حرام ہیں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے دلائل: ① احل لكم صيد البحر کہ سمندر کا شکار تمہارے لئے حلال ہے جب شکار کرنا حلال ہے تو معلوم ہوا کہ سمندر میں جو کچھ بھی ہے وہ حلال ہے۔ جواب: یہ ہے کہ آیت سے شکار کی حلت تو ثابت ہوتی ہے مگر ان سب کا حلال ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ مینڈک اور مگرمچھ وغیرہ دوسری بعض چیزوں کو ائمہ ثلاثہ بھی مستثنیٰ کرتے ہیں، لہٰذا صید البحر میں اضافت استغراقی نہیں ہے۔

② هو الطهور ماءه والحل ميتته کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کا میتہ حلال ہے اس میں میتہ مطلق ہے جو تمام سمندری جانوروں کو شامل ہے۔ احناف کی طرف سے جواب: یہ ہے کہ اس میں بھی میتہ کی اضافت استغراقی نہیں ہے بلکہ معہود ہے۔ اور اس کی تصریح دوسری حدیث میں موجود ہے احلت لناميتتان ودمان فاما الميتتان الجراد والحوت واما الدمان الطحان والكبد کہ ہمارے لئے دو خون اور دو میتہ حلال کئے گئے ہیں دو خون تلی اور جگر ہیں اور دو میتہ ٹڈی اور مچھلی ہیں۔

③ كل شيئ فى البحر مذبوح سمندر میں جو کچھ بھی ہے وہ ذبح شدہ ہے یہ روایت بھی تعمیم کے لئے ہے کہ ہر سمندری جانور اولادِ آدم کے لئے حلال اور پاک ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث خاص ہے اور اس کے لئے مخصص اور مبین دار قطنی کی یہ روایت ہے ان الله تعالىٰ قد ذبح كل نون فى البحر لبنى آدم یعنی اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے لئے ہر نون کو ذبح کر دیا ہے اور نون سے مراد مچھلی ہی ہے اس پر دلیل آیت کریمہ وذالنون اذذهب مغاضبا ہے کہ اس میں مچھلی کو نون سے تعبیر کیا گیا ہے۔

احناف رحمہم اللہ کے دلائل: ① احلت لنا ميتتان اس حدیث سے صرف مچھلی کی حلت ثابت ہے۔

② قال ابن عباس طعامه ميتته الاماقذرت منها حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سمندری طعام سے مراد

اس کے ذبح نہ کیے ہوئے جانور ہیں مگر جن سے آپ نفرت کریں اور کراہت محسوس کریں اور لوگ مچھلی کی تمام اقسام کو استعمال کرتے ہیں اور کھاتے ہیں جبکہ باقی سمندری جانوروں سے طبیعت کراہت محسوس کرتی ہے اور نفرت کرتی ہے۔

③ سمک طافی کی تعریف و حکم:۔ سمک طافی اس مچھلی کو کہتے ہیں جو طبعی موت سے بغیر کسی خارجی سبب کے مر کر پانی میں الٹی ہوئی ہو۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک سمکِ طافی حلال ہے۔ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک سمکِ طافی حرام ہے۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے دلائل: ① **هو الطهور ماء ه والحل ميتته** اس میں میتۃ سے مراد غیر مذبوح ہے اور اس کی حلت کا حکم دیا گیا ہے اور طافی اس کا ایک فرد ہے ② دوسری دلیل مشہور حدیث عنبر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ مچھلی مری ہوئی ملی تھی اسکے باوجود اسے نصف ماہ تک کھاتے رہے۔ احناف کی طرف سے پہلی دلیل کا جواب: یہ ہے کہ میتۃ سے مراد غیر مذبوح نہیں بلکہ اس سے مراد **ما ليس له نفس سائلة** ہے لہٰذا سمک طافی اس سے خارج ہے۔

دوسری دلیل کا جواب: یہ ہے کہ اس میں طافی ہونے کی کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ پانی کے اسے کنارہ پر چھوڑ کر چلے جانے کی وجہ سے وہ مری ہو لہٰذا اس کی حلت میں کوئی شک نہیں ہے اور اس کے طافی ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

احناف رحمہم اللہ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ابوداؤد اور ابنِ ماجہ کی وہ روایت ہے جس میں یہ صریح الفاظ ہیں **ما مات فيه وطفا فلا تأ كلوه** یعنی جو مچھلی پانی میں مر جائے اور الٹی ہو کر تیرنے لگے اسے مت کھاؤ، لہٰذا اس حدیث صریح سے ثابت ہوا کہ سمک طافی حلال نہیں ہے۔

الشق الثانی ......**واذا مال الحائط الى طريق المسلمين فطولب صاحبه بنقضه واشهد عليه فلم ينقضه في مدة يقدر على نقضه حتى سقط ضمن ماتلف به من نفس او مال والقياس ان لايضمن.** (ص ۵۹۹۔رحمانیہ)

هل تعرف من اى كتاب اقتبست هذه العبارة . اشرح صورة المسئلة واذكر وجه الاستحسان . ماهي صورة الاشهاد ؟ وهل الاشهاد شرط . (اشرف الہدایہ ج۱۵ص۱۸۵)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) عبارت کے باب کی نشاندہی (۲) صورتِ مسئلہ کی تشریح (۳) استحسان کی وجہ (۴) اشہاد کی صورت اور شرط ہونے کی وضاحت۔

جواب ...... ① عبارت کے باب کی نشاندہی:۔ اس عبارت کا تعلق کتاب الدیات، فصل فی الحائط المائل سے ہے۔

② صورتِ مسئلہ کی تشریح:۔ کسی شخص کی دیوار جھک گئی جس کی وجہ سے اس کے گرنے کا خطرہ لاحق ہو گیا تو اگر اس کو کسی نے کچھ نہیں کہا اور دیوار گر گئی اور کوئی ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اگر اس سے ان لوگوں میں سے کسی نے کہا ہو جن کو اس راستہ میں حقِ مرور ہے اور کہنا بھی مشورہ کے طور پر نہ ہو بلکہ حکم کے طریقہ پر ہو اور پھر بھی وہ نہ توڑے حالانکہ اس کو اتنی مہلت ملی ہے جس میں وہ اس کام کو کر سکتا ہے مگر نہیں کیا اور اب وہ گر گئی اور کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو اس کا ضمان اس پر لازم ہوگا یہ حکم استحساناً ہے۔ ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ضمان واجب نہ ہو کیونکہ ضمان واجب ہونے کے دو موجب ہیں ① مباشرت ② تسبیب۔

مباشرت تو یہاں ہے نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اور تسبیب کسی درجہ میں ہے لیکن اس میں تعدی نہیں اور سبب پر اسی وقت ضمان واجب ہوتا ہے جب کہ اس کی جانب سے تعدی ہو ورنہ ضمان واجب نہیں ہوتا۔

لہٰذا اگر کسی نے اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا ہو اور اس میں کوئی گر کر مر جائے تو ضمان واجب نہیں کیونکہ متعدی نہیں ہے۔ اسی طرح یہاں بھی عمارت اس کی ملکیت میں ہے اور جو کچھ اس نے قضاء کا حصہ لیا ہے وہ مالک کا فعل نہیں ہے تو جیسے قبل الاشهاد

ضمان واجب نہیں ہے بعد الاشہاد بھی ضمان واجب نہ ہوگا۔

۳ استحسان کی وجہ:۔ استحسان کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اس کی دیوار نے مسلمانوں کے راستہ کی چوڑائی کو گھیر لیا ہے حالانکہ اس کو کہہ دیا گیا تھا کہ اسکو گرا کر ٹھیک کراؤ تو اس پر گرانا اور ٹھیک کرانا واجب ہو گیا تھا پھر اس نے ٹھیک نہیں کرایا تو وہ متعدی اور ظالم ہوا ہے اس وجہ سے ضمان واجب ہوگا۔ اسکی مثال بعینہ ایسی ہے کہ کسی انسان کا کپڑا ہوا وغیرہ سے کسی کی گود میں جا پڑا کپڑے والے نے اس سے مطالبہ کیا لیکن اس نے نہیں دیا پھر وہ ہلاک ہو گیا تو اس پر ضمان واجب ہوگا کیونکہ وہ منع کرنے کی وجہ سے متعدی اور ظالم ٹھہرا۔

لیکن اگر ابھی کپڑے والے نے مانگا نہیں تھا کہ اس سے پہلے ہی ہلاک ہو گیا تو ضمان واجب نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں تعدی نہیں ہے اسی طرح اگر دیوار درست کرنے کا علم نہیں کیا گیا تھا اس سے پہلے ہی یہ حادثہ پیش آگیا ہو تو اب وہ ظالم نہ ہوگا اور اس پر ضمان واجب نہ ہوگا۔

۴ اشہاد کی صورت اور شرط ہونے کی وضاحت:۔ اشہاد کی صورت یہ ہے کہ حکم کرنے والا کہے کہ اے لوگو! تم گواہ ہو جاؤ میں اس دیوار کے مالک کو دیوار کو توڑ کر درست کرنے کا کہہ چکا ہوں۔

باقی یہ اشہاد شرط نہیں بلکہ محض اس کو توڑنے کا کہہ دینا اور توڑنے کا مطالبہ کرنا شرط ہے البتہ کتاب میں اشہاد کا ذکر محض احتیاط کی وجہ سے ہے تا کہ قاضی وغیرہ کی عدالت میں وہ انکار نہ کر سکے اور بوقتِ انکار مدعی کے پاس اسکے خلاف ثبوت دعویٰ کیلئے بینہ موجود ہو۔

﴿الورقة السادسة: فی الفقه هدایه رابع﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۶ھ

الشق الاوّل...... الشفعة واجبة للخليط فى نفس المبيع ثم للخليط فى حق المبيع كالشرب والطريق ثم للجار افاد هذا اللفظ ثبوت حق الشفعة لكل واحد من هؤلاء وافاد الترتيب.(ص ۳۹۱۔رحمانیہ)

اكتب معنى الشفعة لغة واصطلاحًاواذكر وجه تسميته ۔ اكتب وجه مناسبة الشفعة بالغصب واذكر سبب الشفعة و شرطها وحكمة مشروعيتها ۔ اذكراختلاف الائمة فى الشفعة بالجوار مع ذكر الادلة النقلية فقط ۔(اشرف الہدایہ ج ۱۳ص ۲۵)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں (۱) شفعہ کا لغوی و اصطلاحی معنی اور وجہ تسمیہ (۲) شفعہ کی غصب کے ساتھ مناسبت (۳) شفعہ کا سبب و شرط اور مشروعیت کی حکمت (۴) شفعہ بالجوار میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

جواب...... ۱ شفعہ کا لغوی و اصطلاحی معنی اور وجہ تسمیہ:۔ شفعہ کا لغوی معنی ضم یعنی ملانا اور جفت کرنا ہے چونکہ شفیع شفعہ کے ذریعہ بھی دوسرے کی زمین اپنی زمین کے ساتھ ملاتا ہے اس لئے اسے شفعہ کہتے ہیں۔ اور اصطلاحِ فقہاء میں زمین یا مکان کو خریدنے والے مشتری کے خلاف زبردستی اس مکان یا زمین کا ثمنِ مثل کے ساتھ مالک بننے کا نام شفعہ ہے۔

وجہ تسمیہ: شفعہ کا معنی ملانا ہے، چونکہ شفعہ میں بھی شفیع مبیع کو اپنی زمین میں ملالیتا ہے اس لیے اسے شفعہ کہتے ہیں۔

۲ شفعہ کی غصب کے ساتھ مناسبت:۔ ان دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں دوسرے کے مال کا اس کی رضامندی کے بغیر تملک (مالک بننا) ہوتا ہے البتہ غصب غیر مشروع اور شفعہ مشروع ہے۔

۳ شفعہ کا سبب و شرط اور مشروعیت کی حکمت:۔ شفعہ کا سبب شفیع کی ملکیت کا بیع کے ساتھ اتصال ہے خواہ بطریق شرکت ہو جیسے شریک فی نفس المبیع و حق المبیع میں ہوتا ہے، خواہ بطریقِ جوار ہو جیسے جارِ ملاصق میں ہوتا ہے اور شفعہ کی شرط محلِ شفعہ کا غیر منقول ہونا ہے۔

شفعہ کی مشروعیت کی حکمت و وجہ امام شافعیؒ کے نزدیک تقسیم و بٹوارے کے ضرر سے بچنا ہے کہ مالک کو تقسیم کا ضرر لاحق نہ ہو مثلاً

دو افراد ایک جائیداد میں شریک ہیں ان میں سے ایک نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو دوسرے کو مجبوراً بٹوارہ کروانا پڑے گا تو اس بٹوارے کے ضرر و مشقت سے بچنے کے لیے شریعت نے شفعہ کا حق دیا ہے اور یہ مقصد و حکمت شریک فی المبیع میں تو پائی جاتی ہے جار میں نہیں پائی جاتی کیوں کہ جار کو تقسیم وغیرہ کا ضرر نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک شفعہ کی مشروعیت کی حکمت و وجہ ضرر جوار سے بچنا ہے کیوں کہ یہ ضرر جوار ہی تمام مضرتوں کی جڑ ہے کہ ہر آئے دن پڑوسیوں کے درمیان اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور یہ حکمت و وجہ جیسے شریک فی المبیع میں پائی جاتی ہے اسی طرح جار میں بھی پائی جاتی ہے لہٰذا شریک فی المبیع کی طرح جار و پڑوسی کو بھی شفعہ کا حق حاصل ہے۔

④ **شفعہ بالجوار میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔** حنفیہ کے نزدیک تین آدمی شفعہ کے حقدار ہیں ① شریک فی نفس المبیع ② شریک فی حق المبیع ③ جار ملاصق (پشت والا پڑوسی)۔ پہلے شفیع کا ثبوت آپ ﷺ کے قول **الشفعة لشريك لم يقاسم** کی وجہ سے ہے اور دوسرے شفیع کا ثبوت آپ ﷺ کے فرمان **جار الدار احق بالدار والارض ينتظر له وان كان غائبا اذا كان طريقهما واحدا** کی وجہ سے ہے اور تیسرے شفیع کا ثبوت آپ ﷺ کے ارشاد **الجار احق بسقبه (او بشفعته)** کی وجہ سے ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تینوں کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جار (پڑوسی) کو شفعہ کا حق نہیں ہے، انکی دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے **الشفعة فيما لم يقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة** (شفعہ ایسی زمین میں ہے جسمیں بٹوارہ و تقسیم نہ ہوئی ہو جب حدود واقع ہوگئیں اور راستے پھیر لئے گئے تو شفعہ کا حق نہیں ملے گا)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر شرکت محض نفسِ جوار کی وجہ سے شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اوپر ہم شفیع کی تینوں اقسام کے لئے حقِ شفعہ کے ثبوت کے دلائل ذکر کر چکے ہیں، اس لئے تمہارا اس حدیث میں عدمِ ذکر کی وجہ سے جار کو حقِ شفعہ سے محروم و خارج کرنا صحیح نہیں ہے۔

الشق الثانی ...... **وتسليم الاب والوصى الشفعة على الصغير جائز عند ابى حنيفة ؒ وابى يوسف ؒ وقال محمد ؒ و زفر ؒ هو على شفعته اذا بلغ** ۔ (ص ۴۱۰۔ رحمانیہ)

اكتب صورة المسئلة بالايضاح ۔ اُذكر دلائل الفريقين ۔ الدار المشفوعة اذا بيعت باكثر من قيمتها او بيعت باقل من قيمتها فهل الخلاف يبقى ام لا؟ (اشرف الہدایہ ج ۱۳ ص ۱۰۵)

﴿ خلاصۂ سوال ﴾ ...... اس سوال کا حاصل تین امور ہیں (۱) صورتِ مسئلہ کی وضاحت (۲) فریقین کے دلائل (۳) دارِ مشفوعہ غبنِ فاحش کے ساتھ بیچا جائے تو اختلاف کی وضاحت۔

جواب ...... ① **صورتِ مسئلہ کی وضاحت:۔** صغیر کی ماں کا انتقال ہوگیا تھا جس سے اس کو ایک مکان میراث میں ملا تھا اب اس کے پڑوس میں ایک مکان فروخت ہوا جس میں بچہ کو شفعہ پہنچتا ہے مگر باپ نے یا باپ نہ ہونے کی صورت میں وصی نے شفعہ سے دست برداری دے دی تو یہ صحیح ہے یا نہیں۔

تو حضرات شیخین رحمہما اللہ نے اس کو جائز کہا اور امام محمد و زفر رحمہما اللہ نے اس کو جائز نہیں کہا بلکہ اس کو معتبر نہیں مانا اور بچہ بالغ ہونے کے بعد اپنے شفعہ پر برقرار رہے گا۔ ان دونوں نے صراحۃً دستبرداری دے دی ہو، یا شفعہ کی طلب نہ کی ہو دونوں صورتوں میں یہی اختلاف ہے۔

② **فریقین کے دلائل:۔** امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جیسے باپ اور وصی بچہ کی دیت اور اس کے قصاص معاف نہیں کر سکتے کیونکہ وہ منجانب شرع حق ثابت ہے اسی طرح حقِ شفعہ کو بھی باطل نہیں کر سکتے اور مشروعیتِ شفعہ کا مقصد دفعِ ضرر ہے تو اگر اس کا حق باطل کر دیا گیا تو بجائے دفعِ شر کے بچہ کے لئے اضرار اور نقصان دینا ہے لہٰذا یہ دونوں ابطال کے مالک نہ ہوں گے۔

طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شفعہ میں ایک قسم کی تجارت ہے جس میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہے اور بچہ پر ولایت اس لئے ملی ہے کہ اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا جائے۔ اور کبھی ترک شفعہ ہی میں شفقت ہوگی کیونکہ مصلحت کا یہاں یہی تقاضہ ہے اس لئے باپ اور وصی کو یہ حق حاصل ہوا کہ وہ شفعہ لینا چھوڑ دیں اور جس طرح صراحۃً ابطال کا حکم ہے سکوت کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ سکوت اعراض کی دلیل ہے تو گویا دونوں صورتوں میں اعراض پایا گیا۔ اول میں صراحۃً اور ثانی میں دلالۃً۔

❷ دار مشفوعہ غبن فاحش کے ساتھ بیچا جائے تو اختلاف کی وضاحت:۔ دار مشفوعہ غبن فاحش کے ساتھ فروخت ہو یعنی اگر مکان کی مالیت مثلاً تین ہزار ہے اور وہ بیس ہزار میں فروخت ہوا ہے اور لوگوں میں اتنا خسارہ برداشت کرنے کی عادت نہیں ہے تو اس صورت میں اگر باپ یا وصی نے دست برداری دیدی تو اس میں دو قول ہیں۔

① بالاجماع دست برداری درست ہے کیونکہ یہ سراسر شفقت ہے۔ ② اصح یہ ہے کہ یہ دست برداری درست نہیں ہے بلکہ بچہ کا حق بدستور باقی رہے گا اس لئے کہ دست برداری یا تسلیم شفعہ میں لینے کی فرع ہے یعنی جس کو شفعہ میں لینے کا حق ہے اس کو دست برداری و تسلیم کا بھی حق ہے اور یہاں غبن فاحش کی وجہ سے باپ و وصی کو شفعہ میں لینے کا اختیار نہیں ہے۔ پس یہاں یہ دونوں اجنبی کی مثل ہو گئے تو جس طرح اجنبی کی تسلیم درست نہیں ہے اسی طرح ان کی تسلیم بھی درست نہیں ہے۔

اگر یہی بیس ہزار کی مالیت والا مکان تین ہزار میں فروخت ہوا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باپ اور وصی کی تسلیم درست نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں بچہ کا واضح نقصان ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے اس بارے میں کوئی روایت نہیں ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ١٤٣٦ھ

الشق الاول ...... قال واذا استحق بعض نصيب احدهما لعينه لم تفسخ القسمة عند ابی حنيفة" ورجع بحصة ذلك فی نصيب صاحبه وقال ابو يوسف" تفسخ القسمة قال"ذكر الاختلاف فی استحقاق بعض بعينه وهكذا فی "الاسرار" والصحيح ان الاختلاف فی استحقاق بعض شائع من نصيب احدهما فاما فی استحقاقه بعض معين لاتفسخ القسمة بالاجماع ۔ (ص ٤٢٠۔ رحمانیہ)

اذكر صورة المسئلة ۔ اذكر حاصل اختلاف المتن والشرح ۔ قال الشارح "و الصحيح" ...... اذكر وجه صحة هذه الصورة التی ذكرها الشارح۔(اشرف الہدایہ ج ۱۳ ص ۱۵۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا حل تین امور ہیں (١) صورت مسئلہ کی وضاحت (٢) متن وشرح کے اختلاف کا حاصل (٣) شارح کے قول و الصحیح الخ کی وجہ۔

جواب ...... ❶ صورت مسئلہ کی وضاحت:۔ زید و بکر کے درمیان ایک گھر مشترک تھا دونوں نے گھر کی تقسیم کی تو اس کے نتیجہ میں زید کے حصہ میں راستہ والا قیمتی حصہ آیا اور زید کا حصہ قیمت و مالیت کے اعتبار سے بکر کے دوگنے حصہ کے برابر ہے، تقسیم و قبضہ کے بعد تیسرے آدمی مثلاً خالد نے قاضی کی عدالت میں استحقاق کا دعوی کر دیا، بینہ بھی پیش کر دیئے جسکے نتیجہ میں استحقاق والا حصہ خالد کو مل گیا تو اب زید و بکر کی تقسیم کا کیا حکم ہے؟ اسی کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس کی تین صورتیں ہیں ① خالد زید کے حصہ میں صرف ایک کمرہ یعنی معین جزء کا دعوی کرے ② خالد زید کے حصہ میں غیر معین جزء کا دعوی کرے مثلاً یہ کہے کہ اس میں میرا ثلث یا ربع ہے ③ خالد زید و بکر کے پورے گھر میں حصۂ شائع کا دعوی کرے مثلاً یہ کہ پورے گھر میں میرا نصف حصہ ہے۔

پہلی صورت میں بالاتفاق تقسیم فسخ نہیں ہوگی البتہ خالد نے جتنا حصہ زید سے لیا ہے وہ اُس حصہ کا حساب کر کے اسکی بقدر بکر سے واپس لے گا اور دوبارہ تقسیم کی ضرورت نہ ہوگی۔ تیسری صورت میں بالاتفاق تقسیم فسخ کردی جائے گی۔

دوسری صورت اختلافی ہے، امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں تقسیم فسخ نہ ہوگی اور زید اپنے حساب کے بقدر بکر سے واپس لے گا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک تقسیم فسخ کردی جائے گی، اصح قول کے مطابق امام محمد رحمہ اللہ امام صاحب کے ساتھ ہیں۔

❷ متن وشرح کے اختلاف کا حاصل:۔ متن وشرح کے اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ نے پہلی صورت ذکر کر کے اُسکے تحت اختلاف کو نقل کردیا کہ بعض معین کے استحقاق میں اختلاف ہے جو کہ خلاف حقیقت ہے۔ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ اختلاف ان دونوں شرکاء میں سے ایک کے حصہ میں سے بعض مشترک حصہ کے استحقاق میں ہے۔

❸ شارح کے قول **والصحیح الخ** کی وجہ:۔ شارح کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ امام قدوری رحمہ اللہ کی ذکر کردہ صورت اختلافی نہیں ہے بلکہ اُس صورت میں بالاتفاق تقسیم فسخ نہیں ہوگی جیسا کہ اوپر امرِ اوّل میں گزر چکا ہے۔

الشق الثانی ...... **وَكَذٰلِكَ اُجْرَةُ الْحَصَادِ وَالرِّفَاعِ وَالدِّيَاسِ وَالتَّذْرِيَةِ عَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ فَاِنْ شَرَطَاهُ فِي الْمُزَارَعَةِ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ...... وَوَجْهُ ذٰلِكَ۔** (ص ۴۲۹۔ رحمانیہ) **من يجيز المزارعة؟ وماهي شروط المزارعة؟ شكّل العبارة وترجمها۔ اشرح المسئلة مع الدليل۔** (اشرف الہدایہ ج ۱۳ ص ۱۸۸)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں پانچ امور توجہ طلب ہیں (۱) مزارعت کو جائز قرار دینے والے کی نشاندہی (۲) مزارعت کی شرائط (۳) عبارت پر اعراب (۴) عبارت کا ترجمہ (۵) مسئلہ کی تشریح مع الدلیل۔

جواب ...... ❶ مزارعت کو جائز قرار دینے والے کی نشاندہی:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مزارعت فاسد ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مزارعت جائز ہے۔

❷ مزارعت کی شرائط:۔ مزارعت کی صحت کی آٹھ شرائط ہیں۔ ① زمین قابلِ کاشت ہو کیونکہ اسکے بغیر مقصود حاصل نہ ہوگا ② عاقدین عقد کے اہل ہوں، پس مجنون پاگل بچہ وغیرہ اہل نہیں ہے ③ مدت بیان کی جائے کہ یہ عقد کب تک ہوگا اس لئے کہ یہ عقد زمین کے منافع پر یا عامل کے منافع پر ہے اور مدت ہی اس کیلئے معیار ہے ④ بیج ڈالنے والے کی تعیین ہو کہ بیج کون ڈالے گا ⑤ جس کا بیج نہیں ہے اس کا حصہ متعین ہو، کیونکہ وہ شرط کی وجہ سے ہی اپنے حصہ کا مستحق ہوتا ہے ⑥ زمین میں مالکِ زمین کا کوئی عمل دخل نہ ہو، خواہ بیج مالک کا ہو یا کاشتکار کا ہو لہٰذا ہر وہ شرط جو زمین میں مالک کے دخل کو ختم نہ کر سکے وہ مفسدِ عقد ہوگی ⑦ پیداوار میں مالک وعامل دونوں شریک ہوں، پس جو شرط اس شرکت کو ختم کرے وہ مفسدِ عقد ہوگی ⑧ کاشت کردہ چیز متعین ہو کہ کیا چیز کاشت کی جائے گی کیونکہ پیداوار ہی اُجرت ہے اور اُجرت کی جنس کا معلوم ہونا عقد میں شرط ہے۔

❸ عبارت پر اعراب:۔ **کمامرّ في السوال آنفا۔**

❹ عبارت کا ترجمہ:۔ اور اسی طرح کٹائی، کھلیان میں لانے گاہنے اور اُڑانے کی اُجرت بھی ان دونوں پر حصوں کے اعتبار سے ہوگی، پس ان دونوں نے ان اشیاء کی شرط عامل پر لگادی تو یہ عقدِ مزارعت فاسد ہے۔

❺ مسئلہ کی تشریح مع الدلیل:۔ جب کھیتی پک کر تیار ہو جائے تو مزارعت کا مقصد پورا ہو گیا اور عقدِ مزارعت ختم ہو گیا، پس تمام کام وخرچ دونوں پر ہوگا لہٰذا کھیتی کی کٹائی کی اُجرت دونوں پر ہوگی، کھیتی کو کھلیان میں لانے کا کام دونوں کے ذمہ ہوگا خواہ خود کریں یا مزدور سے کروائیں، گہائی کی اُجرت بھی دونوں پر ہوگی اور اگر غلہ صاف نہ ہوا اور بھوسہ وغیرہ اُڑانے کی ضرورت پیش آئے تو یہ بھی دونوں کے ذمہ ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ کھیتی کے پکنے کی وجہ سے عقد ختم ہو گیا ہے اور مقصود کے حاصل ہونے کی وجہ سے اُن دونوں کے درمیان مشترک مال باقی ہے لہٰذا بقیہ کام و خرچ دونوں پر حصہ کے اعتبار سے برابر لازم ہوگا۔

﴿السوال الثالث﴾ ١٤٣٦ھ

الشق الاوّل...... **والمساقاة هي المعاملة في الاشجار والكلام فيها كالكلام في المزارعة وقال الشافعي المعاملة جائزة ولا تجوز المزارعة الاتبعا للمعاملة.** (ص ٣٢٩۔رحمانیہ)

اكتب معنى المساقاة لغةً و شرعًا. اشرح قول الامام الشافعي شرحًا يوضح مرامه. (اشرف الہدایہ ج۱۳ص۱۹۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل دو امور ہیں (۱) **مساقاة** کا لغوی و شرعی معنی (۲) امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی تشریح۔

جواب...... ❶ **مساقاة کا لغوی و شرعی معنی:۔** **مساقاة** کا لغوی معنی سیراب کرنا ہے اور شرعی طور پر **مساقاة** یہ ہے کہ درخت یا باغ کسی دوسرے کو اصلاح اور دیکھ بھال کے لئے اس درخت یا باغ کے بعض پھل کے عوض دینا اس طور پر کہ وہ بعض پھل مشاع ہو یعنی مالک یہ کہے کہ اس درخت یا پھل کا خمس یا ربع یا ثلث تجھے دوں گا۔

❷ **امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی تشریح:۔** امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مساقات جائز ہے اور مزارعت مساقات کے ضمن میں تبعاً جائز ہے لیکن مستقلاً جائز نہیں ہے۔ تبعاً جائز ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ ایک شخص نے کھجور کا ایک باغ دوسرے کو مساقاۃ پر دیا اور ان درختوں کے درمیان میں خالی جگہ تھی وہ مزارعت پر اسی شخص کو دے دی اور اس درمیان والی زمین کی سیرابی درختوں کے پانی سے ہو جاتی ہو تو اس صورت میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مزارعت جائز ہوگی لیکن درمیان والی زمین کو علیحدہ پانی سے سیراب کرنا پڑتا ہو تو یہ مزارعت تبعاً نہ ہوگی بلکہ مستقلاً ہونے کی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ مزارعت اور مساقات میں اصل مضاربت ہے یعنی جیسے مضاربت میں رب المال کی طرف سے مال ہوتا ہے اور مضارب کی طرف سے عمل ہوتا ہے اور نفع میں دونوں اپنے اپنے حصوں کے مطابق شریک ہوتے ہیں۔ اسی طرح مساقات میں بھی درخت وغیرہ مالک کے ہوتے ہیں اور عامل کی طرف سے صرف عمل ہوتا ہے اور اشجار مالک کی ملکیت میں باقی رہتے ہیں پیداوار میں دونوں شریک ہوتے ہیں لہٰذا مساقات مضاربت کے زیادہ مشابہ ہے اور مزارعت میں صرف ربح میں شرکت کی شرط مفسدِ عقد ہے اور اگر پوری پیداوار میں شرکت ہو تو پھر مضاربت کے ساتھ مشابہت نہیں ہے، لہٰذا مستقلاً مزارعت جائز نہیں ہے اور مساقات کے ضمن میں جائز ہے۔

الشق الثانی...... **قال: ولا شفعة في العروض والسفن لقوله ﷺ: لا شفعة الّا في ربع او حائط، وهو حجة على مالك رحمه الله في ايجابها في السفن ......الخ**

ترجم العبارة واشرحه. لا شفعة في البناء المجرد فكيف يستحق العلوّ بالشفعة؟

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں: ① عبارت کا ترجمہ ② عبارت کی وضاحت ③ علو میں ثبوتِ شفعہ کی وجہ۔

جواب...... ❶ **عبارت کا ترجمہ:۔** سامان اور کشتیوں میں شفعہ نہیں ہے آپ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ شفعہ نہیں ہے مگر منزل یا دیوار میں، اور یہ حدیث امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف حجت ہے ان کے کشتیوں میں شفعہ ثابت کرنے میں۔

❷ **عبارت کی وضاحت:۔** اس عبارت میں شفعہ کے متعلق ایک اختلافی مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک منقولی اشیاء

مثلاً سامان اور کشتیوں میں شفعہ نہیں ہے۔ دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ شفعہ نہیں ہے مگر منزل یا دیوار میں، گویا غیر منقولہ قرار والی چیز میں ہی شفعہ ہوسکتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کشتیوں میں شفعہ ہوسکتا ہے۔

❷ علو میں ثبوتِ شفعہ کی وجہ:۔ اگر کوئی شخص صرف بالاخانے کا مالک ہے تو چونکہ اس کے ساتھ زمین نہیں ہے اسلئے اس کو شیئ منقول مان کر اس میں شفعہ جائز نہیں ہونا چاہیے مگر چونکہ بالاخانے کو قرار حاصل ہے جیسا کہ آج کل شہروں میں بکثرت اس کا رواج ہے تو اس کے اندر حقِ قرار پائے جانے کی وجہ سے اس کو زمین کا درجہ دے کر اس میں شفعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

﴿الورقة السادسة : فی الفقه (هدایه رابع)﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاول ...... والموصی به یملك بالقبول خلافا للزفر، وهو احد قولی الشافعی رحمه الله هو یقول الوصیة اخت المیراث اذ کل منهما خلافة لما انه انتقال، ثم الارث یثبت من غیر قبول فکذلك الوصیة ولنا ان الوصیة اثبات ملك جدید ولهذا لا یرد الموصی له بالعیب ولا یرد علیه بالعیب. (اشرف الہدایہ ج۱۶ ص۹۰)

اکتب معنی الوصیة لغةً وشرعًا وما هی شرائط الوصیة؟ هل الوصیة واجبة ام هی مستحبة؟ اشرح المسئلة مع دلیل الشافعی والاحناف. قال القدوری ولا تصح وصیة الصبی وقال الشافعیؒ تصح اذا کان فی وجوه الخیر لان عمرؓ اجاز وصیة یفاع او یافع. هل تصح وصیة الصبی؟ ما هو مذهب الاحناف؟ وما هو الجواب عن استدلال الشافعیؒ.

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) وصیت کا لغوی وشرعی معنی، شرائط اور حکم (۲) مسئلہ کی تشریح مع الدلائل (۳) بچے کی وصیت میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب ...... ❶ وصیت کا لغوی وشرعی معنی، شرائط اور حکم:۔ لغوی معنی: کسی کام کا عہد لینا، حکم دینا۔ نیز وہ چیز جس کی وصیت کی جائے اور اصطلاح میں ھی تملیكٌ مضافٌ الی بعد الموت بطریق التبرع (ایسی تملیک جو بطورِ تبرع واحسان ہو اور مابعد الموت کی طرف منسوب ہو)۔ حکم: وصیت کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

شرائط: وصیت کی متعدد شرائط ہیں۔ ① موصی میں تبرع واحسان کی اہلیت ہو ② موصی مقروض نہ ہو ③ موصیٰ لہٗ زندہ ہو اگرچہ ماں کے پیٹ میں ہی ہو ④ موصیٰ لہٗ وارث نہ ہو ⑤ موصیٰ لہٗ موصی کا قاتل نہ ہو ⑥ موصیٰ بہٖ قابلِ تملیک ہو ⑦ تہائی سے زائد کی وصیت نہ ہو۔

❷ مسئلہ کی تشریح مع الدلائل:۔ ہمارے نزدیک جب تک موصیٰ لہٗ وصیت قبول نہ کرے تب تک وہ موصیٰ بہٖ کا مالک نہ ہوگا۔ امام زفرؒ کا مذہب اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ موصیٰ لہٗ قبول کئے بغیر بھی موصیٰ بہٖ کا مالک ہوجائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے (اسلئے کہ میراث اور وصیت دونوں میں میت کی طرف سے خلافت ہے کیونکہ دونوں میں مورث اور موصی کی طرف سے ملکیت منتقل ہوکر وارث اور موصیٰ لہٗ کی طرف آتی ہے) اور میراث میں وارث کے قبول کئے بغیر ملکیت ثابت ہوجاتی ہے لہٰذا وصیت میں بھی قبول کئے بغیر ملکیت ثابت ہوجائے گی۔ حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ میراث تو خلافت ہے اس میں ملکِ جدید کا اثبات نہیں ہے اور اس میں جدید ملک کے اثبات کے بغیر ہی وارث مورث کی جگہ آجاتا ہے جبکہ وصیت میں ملکِ جدید کا اثبات ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مریض موصی نے کوئی چیز خرید کر وصیت کردی پھر موصیٰ لہٗ نے اُس چیز کو عیب دار پایا تو موصیٰ لہٗ اُس عیب کی وجہ سے یہ چیز موصی کے بائع پر واپس نہیں کرسکتا۔ اور اگر کسی مریض نے اپنے پورے مال کی وصیت

کردی پھر مریض نے ترکہ میں سے کسی چیز کو فروخت کردیا اور مشتری نے اُس چیز میں عیب پایا تو مشتری کو یہ حق نہ ہوگا کہ اُس کو موصیٰ لہٗ کو واپس کرے پس اگر وصیت میں موصیٰ لہٗ کیلئے ثبوتِ ملک بطریقِ خلافت ہوتا تو مذکورہ دونوں صورتوں میں موصیٰ لہٗ کو رڈ کا اختیار حاصل ہوتا۔ الغرض وصیت و میراث میں فرق ہے اس لئے وصیت کو میراث پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

❸ **بچے کی وصیت میں اختلاف مع الدلائل:۔** ہمارے نزدیک بچہ اگر وصیت کرے تو یہ صحیح نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر بچہ کسی خیر کے کام میں وصیت کرے تو جائز ہے۔ امام شافعیؒ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بچے کی وصیت کی اجازت دی تھی جو قریب البلوغ تھا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچہ کی وصیت صحیح ہونے میں اُس کے لئے شفقت ہے کیونکہ اگر اُس کی وصیت نافذ نہ ہو تو اُس کا مال غیر استعمال کریں گے اور اگر وصیت نافذ ہو جائے تو گویا اُس نے اپنا مال خود استعمال کیا۔ اور اُس کو نیک راہ میں صرف کرنے کی وجہ سے ثواب اور عند اللہ تقرب حاصل ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ تبرع و احسان کا اہل نہیں ہے اور وصیت ایک تبرع ہی ہے۔ نیز بچے کا قول ایسا نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اُس پر کوئی چیز لازم کردی جائے اور اگر اُس کی وصیت کو صحیح مان لیا جائے تو اُسکے قول کا ملزم ہونا لازم آئے گا جو کہ باطل ہے۔

امام شافعیؒ کے پیش کردہ حضرت عمرؓ کے اثر کا جواب یہ ہے کہ وہ بچہ ابھی بالغ ہوا تھا تو مجاز کے علاقوں میں سے علاقۂ ماکان علیہ کی وجہ سے مجازاً اُسکو یفاع (قریب البلوغ) کہہ دیا گیا ہے ورنہ حقیقت میں وہ بالغ تھا یفاع نہ تھا۔ نیز اُسکی وصیت کفن دفن کے سلسلہ میں تھی جو کہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے۔ باقی ثواب کی زیادتی، مال کو اپنے ورثاء کے پاس چھوڑنے میں ہے نہ کہ وصیت میں۔

الشق الثانی ......**وإن كان سفل لا علو عليه وعلو لا سفل له وسفل له علو قوّم كل واحد على حدته وقسم بالقيمة.**

هذا المذكور في المتن عند محمدؒ ام عند الشيخين؟ والفتوىٰ اليوم على قول من؟ ـ اشرح المسئلة مع الخلاف في ضوء الدليل واذكر تفسير قول أبي حنيفة في المسئلة وتفسير قول أبي يوسف ـ

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں۔ (۱) مذکورہ مسئلہ والے امام کی نشاندہی (۲) مفتی بہ قول کی نشاندہی (۳) مسئلہ کی تشریح مع الاختلاف والدلائل (۴) شیخینؒ کے قول کی تفسیر۔

جواب ...... ❶ **مذکورہ مسئلہ والے امام کی نشاندہی:۔** مذکورہ مسئلہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

❷ **مفتی بہ قول کی نشاندہی:۔** مذکورہ مسئلہ میں فتویٰ بھی امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

❸ **مسئلہ کی تشریح مع الاختلاف والدلائل:۔** مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کل تین مکان ہیں۔ ① سفل مجرد (صرف تحتانی منزل)۔ ② علوِ مجرد (صرف فوقانی منزل)۔ ③ سفل و علو دونوں ہیں۔ یہ دونوں شریک قاضی کے پاس حاضر ہوئے تو قاضی کیسے تقسیم کرے۔ متن والا مسئلہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے کہ ہر مکان کی الگ الگ قیمت لگائی جائے اور پھر قیمت کے اعتبار سے انمیں تقسیم کردی جائے، شیخینؒ کے نزدیک گزوں کے اعتبار سے تقسیم کی جائے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تحتانی منزل میں کنواں، تہ خانہ و اصطبل وغیرہ بنایا جاسکتا ہے جبکہ بالائی منزل میں یہ اشیاء ممکن نہیں ہیں نیز گرمی و سردی کے اختلاف سے دونوں کی منفعت تبدیل ہوتی رہتی ہے، لہٰذا قیمت کے بغیر برابری ممکن نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تحتانی منزل کا ایک گز فوقانی منزل کے دو گز کے برابر ہے، دلیل یہ ہے کہ تحتانی منزل کی منفعت فوقانی منزل کی منفعت سے دوگنا ہے اسلئے کہ تحتانی حصہ کی منفعت فوقانی حصہ کے بغیر بھی باقی ہے جبکہ فوقانی حصہ کی منفعت تحتانی کے بغیر نہیں ہے لہٰذا اسی اعتبار سے تقسیم ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک علو و سفل کے ہر ہر گز کے مقابلہ میں دوسرے کا ایک گز ہوگا دلیل یہ ہے کہ اصل مقصد سکنٰی ہے

اور اسمیں دونوں حصے برابر ہیں لہٰذا برابری کے ساتھ تقسیم ہوگی ہر ایک کے گز کے مقابلہ میں دوسرے کا گز ہوگا۔

❹ شیخین ؒ کے قول کی تفسیر:۔ امام ابو حنیفہ ؒ کے قول کی تفسیر یہ ہے کہ علوِ مجرد کے سو گز کے مقابلہ میں بیت کامل (دو منزلہ) کے ۳۳ گز وایک ثُلث دیا جائیگا، علو کے ۶۶ گز کے مقابلہ میں سفل کے ۳۳ گز اور علو والے ۳۳ کے مقابلہ میں کامل کے علو والے ۳۳ گز ہو گئے۔ سفل مجرد کے سو گز کے مقابلہ میں بیتِ کامل کے چھیاسٹھ گز اور دو ثلث دیئے جائیں گے اسلئے کہ سفل علو کا دُگنا ہے پس سفل کے چھیاسٹھ کے مقابلہ میں کامل کے سفل والے چھیاسٹھ ہونگے اور سفل کے ۳۳ کے مقابلہ میں علو کے چھیاسٹھ ہونگے۔

امام ابو یوسف ؒ کے قول کی تفسیر یہ ہے کہ بیت کامل کے پچاس گز کے مقابلہ میں سفل مجرد کے سو گز ہونگے اسی طرح بیت کامل کے پچاس گز کے مقابلہ میں علوِ مجرد کے بھی سو گز ہونگے۔ کیونکہ انکے نزدیک گز کے مقابلہ میں گز ہی ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل ...... قَالَ: وَمَا اَصَابَهُ الْمِعْرَاضُ بِعَرْضِهٖ لَمْ يُؤْكَلْ، وَاِنْ جَرَحَهٗ يُؤْكَلُ لِقَوْلِهٖ ﷺ فِيْهِ مَا اَصَابَ بِحَدِّهٖ فَكُلْ وَمَا اَصَابَ بِعَرْضِهٖ فَلَا تَأْكُلْ۔ شکل العبارة وترجمها الی الاردية هل يجوز اكل مااصابته البندقة فمات بها؟ وهل البندقة كالمعراض؟ كم قسمًا للذبح وضّح الفرق بين كل قسم۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال کا خلاصہ چار امور ہیں۔ (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) غلیل کے شکار کا حکم (۴) ذبح کی اقسام کی وضاحت مع الفرق۔

جواب ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ کمامّر فی السوال آنفا۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ اور وہ شکار جس کو تیر اپنے عرض (ڈنڈی) کے ساتھ لگا تو اس کو نہ کھایا جائے اور اگر وہ تیر اس کو زخمی کردے تو اس کو کھایا جائے آپ ﷺ کے فرمان کی وجہ سے کہ جس شکار کو تیر اپنی دھار کے ساتھ لگے اس کو کھالے اور جس کو اپنی ڈنڈی کے ساتھ لگے اسکو مت کھا۔

❸ غلیل کے شکار کا حکم:۔ بندوق وغلیل وغیرہ سے کئے گئے شکار کو اگر موت واقع ہونے سے قبل ذبح کرلیا گیا تو پھر وہ شکار حلال ہے اور اگر بندوق کی گولی اور غلیل والے پتھر سے شکار کی موت واقع ہوگئی تو پھر وہ شکار حرام ہے، اس جیسی دیگر اشیاء معراض کے ہی حکم میں ہیں کیونکہ یہ اشیاء کاٹنے کا کام نہیں کرتیں بلکہ توڑنے اور کوٹنے کا کام کرتی ہیں۔

❹ ذبح کی اقسام کی وضاحت مع الفرق:۔ ذبح کی دو قسمیں ہیں اختیاری واضطراری، اگر جانور قابو میں ہو تو ذبح اختیاری ضروری ہے اور اسکا محل حلق ولبّہ ہے اسمیں جانور کی چار رگیں کاٹی جاتی ہیں (حلقوم یعنی سانس کی نالی، مری یعنی غذا کی نالی اور دو شہ رگیں) امام صاحب کے نزدیک اگر ان میں سے کوئی سی تین رگیں کٹ جائیں تب بھی جانور حلال ہوجائے گا اور ذبح اضطراری میں جانور قابو میں نہیں ہوتا جیسے شکار یا بھاگا ہوا جانور اسمیں جانور کا پورا جسم ذبح کا محل ہے، کسی جگہ جانور و پرندہ کو زخم لگ گیا اور وہ خون بہنے کے نتیجہ میں مرگیا تو وہ حلال ہے بشرطیکہ تیر نیزہ وشکاری جانور کو چھوڑتے وقت تسمیہ وتکبیر کہی ہو۔ (خیر التوضیح وتحفۃ الالمعی، التسہیل الضروری)

اس سے فرق بھی واضح ہوگیا کہ ذبح اختیاری میں مخصوص رگوں کو کاٹنا ضروری ہے جبکہ ذبح اضطراری میں کسی بھی جگہ جانور کے زخم لگ جائے وہ کافی ہے۔

الشق الثانی ...... وأجرة البيت الذی يحفظ فيه الرهن على المرتهن وكذلك أجرة الحافظ وأجرة الراعی ونفقة الرهن على الراهن۔ اكتب معنى الرهن لغةً وشرعًا۔ هل الرهن مشروع؟

انكر دليلا من القرآن والحديث. اشرح المسئلة فى ضوء القاعدة الكلية التى ذكرها صاحب الهداية۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) رہن کا لغوی وشرعی معنی (۲) رہن کی مشروعیت کی دلیل (۳) مسئلہ کی تشریح۔

جواب ...... ① رہن کا لغوی وشرعی معنی:۔ لغوی معنی روکنا ومحبوس کرنا، اصطلاح میں کسی چیز کو ایسے حق کے عوض روکنا کہ اس حق کی وصولی اس محبوسہ چیز کے ذریعہ ممکن ہو، مثلاً قرض وغیرہ کی وصولی کیلئے کوئی گاڑی زمین زیور وغیرہ روکنا۔

② رہن کی مشروعیت کی دلیل:۔ قرآن وحدیث سے رہن کا جواز ثابت ہے، ارشاد باری تعالی ہے "وان كنتم على سفر ولم تجدوا كاتبا فرهن مقبوضه" کہ اگر تمہیں دوران سفر قرض وادھار کی ضرورت پیش آجائے اور دستاویز وغیرہ لکھنے کیلئے کوئی کاتب نہ ملے تو قرض کے عوض کوئی چیز مدیون کو رکھ دینی چاہیے، اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے کسی یہودی سے غلہ خریدا تو ثمن کے عوض اپنی زرہ اسکے پاس بطور رہن رکھی۔ نیز رہن کے جواز پر اجماع بھی منعقد ہے اور قیاس کے ذریعہ بھی جواز معلوم ہوتا ہے کیونکہ کفالت بالاتفاق جائز ہے اور اسکی حقیقت کفیل سے حق واجبی کو وصول کرنا ہے تو جیسے کفالت سے وصولی میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح رہن کے ذریعہ بھی حق کی وصولی پختہ ہوتی ہے پس کفالت پر قیاس کرتے ہوئے رہن بھی جائز ہے۔

③ مسئلہ کی تشریح:۔ مذکورہ مسئلہ کے متعلق ضابطہ وقاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس خرچ وغیرہ کا تعلق حفاظت سے ہوگا وہ مرتہن کے ذمہ ہوگا اور جس خرچ کا تعلق اصلاح وابقاء کے ساتھ ہوگا وہ راہن کے ذمہ ہوگا اس قاعدہ کلیہ کی روشنی میں اس گھر کی اجرت وکرایہ جسمیں رہن کی حفاظت کرنی ہے مرتہن کے ذمہ ہوگی، اسی طرح چوکیدار نگران ونگہبان کی اجرت بھی مرتہن کے ذمہ ہوگی البتہ رہن اگر جانور ہے تو اسکو چرانے والے کی اُجرت اور رہن کا نفقہ وکپڑا وغیرہ راہن کے ذمہ ہوگا کیونکہ اول اشیاء کا تعلق حفاظت کے ساتھ ہے اور بعد والی اشیاء کا تعلق اصلاح وابقاء کے ساتھ ہے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۷ھ

الشق الاوّل ......قال: والمسلم بالذمى، خلافا للشافعى، له قوله عليه السلام: "لايقتل مومن بكافر" ولأنه لامساواة بينهما وقت الجناية وكذا الكفر مبيح فيورث الشبهة، ولنا....

هل ثبت اقتصاص المسلم بالذمى. هل يقتل المسلم بالمستأمن؟. ذهب الشافعى إلى عدم ثبوت اقتصاص المسلم بالذمى، أجب عما استدل به الشافعىؒ واذكر مذهب الأحناف مع الدليل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال کا حل دو امور ہیں۔ (۱) ذمی ومستأمن کے بدلہ میں مسلمان کے قتل میں احناف کا مذہب ودلیل (۲) امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب۔

جواب ...... ① ذمی ومستأمن کے بدلہ میں مسلمان کے قتل میں احناف کا مذہب ودلیل:۔ امام ابوحنیفہ امام زفر اور امام ابویوسفؒ کا ایک قول یہ ہے کہ ذمی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قصاصاً قتل کیا جائیگا اور حربی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائیگا۔

مستامن کے قاتل کے بارے میں حنفیہ کے دو اقوال ہیں۔ راجح قول کے مطابق مستامن کے قاتل کو قتل نہیں کیا جائیگا بلکہ دیت لازم ہوگی۔ دوسرے قول کے مطابق مستامن کے قاتل کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

دلائل: ① يا ايها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص فى القتلى الخ ② وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس والعين بالعين الخ ③ ولا يقتلون النفس التى حرّم الله الّا بالحق۔ ان تینوں آیات میں حرمت نفس ذمی کو بھی شامل ہے کیونکہ حکماً یہ بھی مسلمان ہے ④ مسلمان اگر ذمی کا مال چرائے تو قطع ید کی سزا ہے لہٰذا قتل پر قصاص بطریق اولی

ہوگا ⑤ آپ ﷺ نے ذمی کے قاتل مسلمان کو قصاصاً قتل کیا تھا ⑥ آپ ﷺ نے ذمی کے قاتل پر سخت وعید بیان فرمائی کہ جو شخص ذمی کو قتل کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا اس سے معلوم ہوا کہ اس کا قتل بھی گناہ ہے۔

❷ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب:۔ ① اس روایت میں کافر سے مراد کافر حربی ہے کیونکہ دوسری روایت میں ولا ذو عهد فی عهد آیا ہے تو ذمی اور کافر کے تقابل سے معلوم ہوا کہ کافر اور ذمی کا الگ الگ حکم ہے اور کافر سے مراد کافر حربی ہے ② لایقتل مؤمن میں مؤمن کا لفظ مسلمان حقیقی وحکمی دونوں کو شامل ہے اور ذمی حکماً مسلمان ہے کیونکہ انہوں نے حفاظت جان ومال کے بدلہ ہی جزیہ دیا ہے اور مسلمان حکومت نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے لہٰذا ذمی کا شمار حکماً مسلمان میں ہوگا اور کافر سے مراد کافر حربی ہے جو نہ حقیقتاً مسلمان ہے اور نہ حکماً مسلمان ہے۔ (تقریر ترمذی ج ۲ ص ۵۳) امام شافعیؒ کی عقلی دلیل (ذمی کافر ہے اور بوقت قتل کفر اس میں موجود ہے جو قتل کی اباحت کا سبب ہے پس اس میں عدم مساوات کا شبہ موجود ہے جب شبہ پیدا ہوگیا تو قصاص ساقط ہوگیا) کا جواب یہ ہے کہ ہر کفر مبیح نہیں ہے بلکہ حربی کا کفر مبیح ہے اور ذمی کا کفر مبیح نہیں ہے کیونکہ ذمی کے بدلہ میں ذمی کا بالاتفاق قتل کیا جاتا ہے یہ قتل اس بات کی دلیل ہے کہ ذمی کی عصمت دم میں کوئی شبہ نہیں ہے ورنہ قصاص جاری نہ ہوتا۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۵ ص ۳۲)

الشق الثانی ......فصل فی الجنين واذاضرب بطن امرأة فألقت جنينا ميتا ففيه غرة، وهی نصف عشر الدية. قال معناه: دية الرجل.

لماذا سمی بدل الجنين غرة؟ وماهو المراد بالغرة هٰهنا؟ لماذا قال صاحب الهداية: "معناه دية الرجل"۔ القياس يقتضی أن لايجب فی الجنين شیئ لماذاتركنا القياس فی هذه المسئلة؟

﴿خلاصہ سوال﴾ ......اس سوال کا حل تین امور ہیں۔ (۱) جنین کے بدل کا نام غرہ رکھنے کی وجہ (۲) معناه دية الرجل کہنے کی وجہ (۳) جنین کے وجوب میں قیاس کو ترک کرنے کی وجہ۔

جواب ...... ❶ جنین کے بدل کا نام غرہ رکھنے کی وجہ:۔ جنین کی دیت کی مقدار (پانچ سو درہم) دیت میں سب سے کم اور پہلی مقدار ہے اسلئے اسکو غرہ کہتے ہیں کیونکہ غرہ کا معنی شی کا اوّل ہوتا ہے۔

❷ معناه دية الرجل کہنے کی وجہ:۔ وهی نصف عشر الدية کے بعد مصنفؒ نے معناه دية الرجل کہہ کر عورت کی دیت سے احتراز کیا ہے اسلئے کہ غرہ کی مقررہ مقدار (پانچ سو درہم) صرف مرد کی دیت کا نصف عشر ہے کیونکہ مرد کی دیت دس ہزار درہم ہے اور یہ عورت کی دیت کا عشر ہے کیونکہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف (پانچ ہزار درہم) ہے۔

❸ جنین کے وجوب میں قیاس کو ترک کرنے کی وجہ:۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جنین میں کچھ لازم نہ ہو کیونکہ اسکی زندگی کا علم نہیں ہے مگر استحساناً غرہ لازم کیا گیا ہے اور قیاس کو ترک کیا گیا ہے قیاس کو ترک کرنیکی وجہ حدیث نبوی ہے کہ آپ ﷺ نے جنین کی وجہ سے غرہ لازم کیا تھا۔

﴿الورقة السادسة: فی الفقه (ھدایہ رابع)﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل ...... واذا اجتمع الشفعاء فالشفعة بينهم علی عدد رؤوسهم ولا يعتبر اختلاف الاملاك....

ماهو سبب الشفعة وماهو شرطها؟ اشرح مسئلة المتن فی ضوء المثال۔ هل يعتبر اختلاف الاملاك ام لا؟ ماهو مذهب الامام الشافعیؒ فی ذلك؟ اذكر دليله ثم اذكر مذهب الاحناف فی ضوء الدليل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) شفعہ کا سبب و شرائط (۲) مسئلہ کی تشریح مع مثال (۳) اختلاف املاک کے معتبر ہونے میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل۔

جواب ...... ❶ **شفعہ کا سبب و شرائط:۔** کمامرّ فی الشق الاوّل من السوال الاوّل ۱۴۳۶ھ۔

❷ **مسئلہ کی تشریح مع مثال:۔** جب کسی جگہ پر متعدد شفیع جمع ہو جائیں تو پھر شفعہ اُن کے درمیان عدد رؤوس کے مطابق ہوگا اس میں اختلاف املاک کا اعتبار نہیں کیا جائے گا مثلاً ایک گھر چار آدمیوں نے مل کر سو (۱۰۰) روپے میں خریدا، ایک کے ۵۰ روپے دوسرے کے ۳۰، تیسرے کے ۱۵، چوتھے کے ۵ روپے ہیں۔ اب اگر ۵ روپے والا اپنا حصہ فروخت کرتا ہے تو اس میں تین شفعہ کے حقدار ہیں یہ شفعہ کا حق تینوں کو برابر ملے یا مِلک کے تناسب سے کم زیادہ ملے گا۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

❸ **اختلاف املاک کے معتبر ہونے میں ائمہ کا اختلاف مع الدلائل:۔** احناف کے نزدیک سب حصہ داروں کو برابر ملے گا یعنی عدد رؤوس کا اعتبار ہوگا حصے اور سہام کی مقدار نہیں دیکھی جائے گی جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک مِلک کے منافع جہاں بھی حاصل ہوں وہ مِلک کے تناسب سے تقسیم ہوتے ہیں اور شفعہ بھی مِلک کی منفعت ہے لہٰذا وہ بھی مِلک کے اختلاف سے کمی و زیادتی کے ساتھ تقسیم ہوگا مثلاً دو آدمیوں نے ملکر پندرہ روپے کی کوئی چیز خریدی، ایک کے دس اور دوسرے کے پانچ روپے ہیں، اب جب اُسے اٹھارہ روپے میں فروخت کیا گیا تو دس والے کو بارہ روپے اور پانچ والے کو چھ روپے ملیں گے کیونکہ ملکیت اسی تناسب سے ہے لہٰذا شفعہ میں بھی تناسب کے اعتبار سے حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ شفعہ اتصال کی وجہ سے ملا ہے اور نفسِ اتصال میں سب کا اشتراک ہے، معلوم ہوا کہ سبب کے اندر سب برابر ہیں لہٰذا استحقاق میں بھی سب برابر ہونگے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اُن میں سے کوئی ایک شفیع رہ جائے یعنی دوسرے شرکاء شفعہ نہ کریں تو پورا شفعہ اُسی ایک شفیع کو ہی ملے گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سبب کے اندر کمال ہے، اگر سبب کامل نہ ہوتا تو سارا شفعہ اُس ایک شفیع کو نہ ملتا۔

امام شافعیؒ نے شفعہ کو مرافقِ مِلک میں شمار کیا تھا، اُس کا جواب یہ ہے کہ شفعہ کو مرافقِ مِلک میں شمار نہیں کیا جائے گا ورنہ ہر تملک کے اندر اپنی مِلک کا دخل ہونا چاہیے جیسے باپ اپنے بیٹے کی باندی کا مالک ہو سکتا ہے مگر یہ مِلک اُس کی مِلک کا ثمرہ نہیں ہے لہٰذا شفعہ کو مرافقِ مِلک نہیں کہا جا سکتا البتہ پھل وغیرہ میں پیداوار مِلک کا ثمرہ ہوگا اور اسی وجہ سے بقدرِ مِلک تقسیم ہوگا۔

الشق الثانی ...... **واذا اختلف المتقاسمون وشهد القاسمان قبلت شهادتهما.**

ماهی القسمة وما هو رکنها و شرطها وحکمها؟ هل القسمة فی الاعیان مشروعة ؟ اذکر دلیلا علی مشروعیتها۔ هذا الذی ذکره الماتنؒ قول من ؟ اذکر الخلاف الواقع فیما بین الاحناف مع الدلیل۔ اذکر قول الامام الطحاویؒ فی المسئلة۔ (اشرف الہدایہ ج ۱۳ ص ۱۴۵)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) قسمت کی تعریف، رکن، شرط و حکم (۲) اعیان میں قسمت کی مشروعیت کی دلیل (۳) متن میں مذکور مذہب والے امام کی نشاندہی و اختلاف مع الدلائل (۴) امام طحاویؒ کا قول۔

جواب ...... ❶ **قسمت کی تعریف، رکن، شرط و حکم:۔** قسمت کا معنیٰ بٹوارہ اور تقسیم کرنا ہے۔ اس کا رکن وہ فعل ہے جس کے ذریعے حصوں کے درمیان افراز و تمیز واقع ہو مثلاً ناپنا، تولنا، پیمائش کرنا، گننا۔ قسمت کی شرط یہ ہے کہ بٹوارہ سے منفعت فوت نہ ہو لہٰذا جن چیزوں کی قسمت کی وجہ سے منفعت فوت ہو جائے اُن کو تقسیم نہیں کیا جائے گا مثلاً کنواں، پن چکی، حمام وغیرہ۔ قسمت کا حکم ہر شریک کا علیحدہ علیحدہ حصہ متعین کرنا ہے۔

❷ اعیان میں قسمت کی مشروعیت کی دلیل:۔ مشترک چیزوں میں بٹوارہ و تقسیم مشروع ہے، اسکی دلیل آپ ﷺ کا مال غنیمت اور مالِ میراث میں بٹوارہ و تقسیم کرنا ہے نیز بغیر نکیر کے اسکے ساتھ توارث جاری ہے گویا اسکی مشروعیت پر اُمت کا اجماع ہے۔

❸ متن میں مذکور مذہب والے امام کی نشاندہی و اختلاف مع الدلائل:۔ متن میں مذکور مسئلہ شیخینؒ کا قول ہے یعنی قاسمین نے شرکاء کے درمیان تقسیم کردی پھر شرکاء میں اختلاف ہوا، اُن میں سے ایک نے کہا کہ میرا حصہ مجھ تک نہیں پہنچا حالانکہ میرے حصہ میں فلاں چیز تھی اور دو قاسموں نے یہ گواہی دیدی کہ اُس نے اپنا حصہ وصول کرلیا ہے تو شیخینؒ کے نزدیک گواہوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ قاسمین اپنے فعل پر گواہی دے رہے ہیں حالانکہ اپنے فعل پر گواہی قبول نہیں ہوتی مثلاً زید نے کہا کہ اگر خالد نے آج ایک پارہ کی تلاوت کی تو میرا غلام آزاد ہے، غلام نے اپنے عتق کا دعویٰ کیا اور خالد نے ایک پارہ پڑھنے کی گواہی دے دی تا کہ غلام آزاد ہو جائے تو خالد کی گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ خالد نے اپنے فعل پر گواہی دی ہے لہٰذا یہاں پر بھی قاسمین اپنے فعل پر گواہی دے رہے ہیں اس لئے یہ قبول نہ ہوگی۔ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اپنے فعل پر گواہی کا قبول نہ ہونا مسلّم ہے مگر یہاں پر غیر کے فعل پر گواہی ہے کیونکہ قاسمین کا کام ہر ایک کے حصہ کو الگ کرنا ہے جو وہ کر چکے ہیں اب اختلاف اپنے حق کو وصول کرنے اور اُس پر قبضہ کرنے میں ہے تو یہ قاسمین کی گواہی غیر کے فعل پر ہے لہٰذا معتبر ہونی چاہیے۔

❹ امام طحاویؒ کا قول:۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اگر قاسمین کو تقسیم کیلئے اجیر بنایا گیا ہے تو پھر اُن کی گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنی گواہی سے اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ جس کام کے لئے ہم اجیر تھے ہم وہ کام پورا کر چکے ہیں، تو اُن کی یہ شہادت صورۃً تو شہادت ہے مگر معنیٰ کے لحاظ سے یہ دعویٰ ہے اور مدعی کی شہادت معتبر نہیں ہوتی لہٰذا اس صورت میں اِن کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل ...... قال ولا باس بلبس الحرير والديباج فى الحرب عندهما ويكره عند ابى حنيفةؒ۔

هذه العبارة المذكورة مقتبسة من كتاب الاضحية او من كتاب الكراهية ؟ اذكر خلاف الصاحبين وابى حنيفة فى مسئلة المتن مع الدليل لكل من الفريقين۔ هل قال اكثر اهل العلم بقول ابى حنيفة ام بقول الصاحبين ؟ (اشرف الہدایہ ج۱۳ص۲۸۲)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) مذکورہ عبارت کی کتاب کی نشاندہی (۲) مذکورہ مسئلہ میں ائمہ حنفیہ کا اختلاف مع الدلائل (۳) اکثر اہلِ علم کے قول کی وضاحت۔

جواب ...... ❶ مذکورہ عبارت کی کتاب کی نشاندہی:۔ مذکورہ عبارت کتاب الکراہیہ سے لی گئی ہے۔

❷ مذکورہ مسئلہ میں ائمہ حنفیہ کا اختلاف مع الدلائل:۔ صاحبینؒ کے نزدیک جنگ میں خالص ریشم اور دیباج پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جنگ میں ریشم اور دیباج پہننے کی اجازت دی ہے نیز اس میں ضرورت بھی ہے اسلئے کہ خالص ریشم ہتھیار کی سختی کو روکنے والی ہے اور اپنی چمک کی وجہ سے دشمن کی آنکھوں میں زیادہ ہیبت ڈالنے والی و مرعوب کرنے والی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خالص ریشم پہننا جنگ میں بھی مکروہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ریشم کے متعلق ممانعت والی احادیث میں جنگ اور غیر جنگ کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ باقی رہی ضرورت، تو وہ مخلوط ریشم سے پوری ہو جاتی ہے اور مخلوط سے مراد یہ ہے کہ اُس کا بانا ریشم اور تانا سُوت یعنی اُون کا ہو کیونکہ اگر تانا ریشم کا ہو اور بانا سُوت وغیرہ کا ہو تو پھر بلا ضرورت بھی اسکا استعمال جائز ہے۔

③ اکثر اہل علم کے قول کی وضاحت:۔ جنگ میں خالص ریشم کے استعمال کے متعلق اکثر مشائخ وجمہور نے صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

الشق الثانی ...... وَاِذَا كَانَ لِرَجُلٍ نَهْرٌ اَوْ بِئْرٌ اَوْقَنَاةٌ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَمْنَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّفَةِ ...... اِعْلَمْ اَنَّ الْمِيَاهَ اَنْوَاعٌ مِنْهَا......

شکّل العبارة وترجمها الى الاردية ـ حقق لفظ الشفة صرفًا ولغةً ـ اذكر انواع المياه التى ذكرها صاحب الهداية واذكر الحكم لكل نوع ـ (اشرف الہدایہ ج۱۴ص۴۷)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) ''شفہ'' کی لغوی وصرفی تحقیق (۴) پانی کی اقسام اور انکے احکام۔

جواب ...... ① عبارت پر اعراب:۔کمامرّ فی السوال آنفا۔

② عبارت کا ترجمہ:۔ جب کسی شخص کی نہر یا کنواں یا کاریز ہو تو اُسکو یہ حق نہیں ہے کہ کسی کو ہونٹوں سے منع کرے، جان تُو کہ پانی کی کئی اقسام ہیں۔

③ ''شفہ'' کی لغوی وصرفی تحقیق:۔شَفَةٌ اصل میں شَفْهَةٌ تھا،تخفیف کیلئے ھاء کو حذف کردیا کیونکہ اس کی تصغیر شُفَيْهَةٌ اور جمع تکسیر شِفَاهٌ آتی ہے اس سے مراد جانوروں اور انسانوں کا براہ راست پانی پینا ہے۔

④ پانی کی اقسام اور انکے احکام:۔ ① دریاؤں کا پانی، اس سے تمام لوگوں کو پینے اور زمینوں کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہے حتیٰ کہ اگر کسی نے اُس دریا سے اپنی زمین تک نہر کھودنے کا ارادہ کیا تو اُسے منع نہیں کیا جائے گا جیسا کہ سورج، چانداور ہوا وغیرہ سے نفع اٹھانا ہر ایک کے لئے جائز ہے کسی کو منع نہیں کیا جاسکتا۔ (علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں بڑے دریا سے مراد سمندر ہیں)

② بڑی وادیوں کا پانی اور اسی طرح بڑے دریا مثلاً دجلہ، فرات وغیرہ، ان سے بھی سب لوگوں کو پینے، جانوروں کو پلانے اور زمینوں کو سیراب کرنے کا حق حاصل ہے مگر ان سے نہر کھودنے کی دوصورتیں ہیں۔اگر یہ نہر کھودنا لوگوں کے لئے تکلیف دہ نہ ہو پھر تو جائز ہے اگر نہر کھودنے سے دریا کا کنارہ ٹوٹنے کا، بستیوں کے ڈوبنے کا یا لوگوں کی زمینیں خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح پن چکی لگانا بھی اگر مضر نہ ہو تو جائز ہے وگرنہ روک دیا جائے گا۔

③ پانی کا بٹوارہ وتقسیم ہونے کے بعد پینے اور جانوروں کو پلانے کا حق تو سب کیلئے ہے مگر زمین کو سیراب کرنے سے روکا جائیگا۔

④ وہ پانی جس کو برتنوں میں بھر لیا گیا ہو یہ پانی بھرنے کی وجہ سے بھرنے والے کا مملوک ہوگیا ہے اور اس سے غیر کا حق منقطع ہوگیا ہے لہٰذا اس کو کسی کے لئے بھی مالک کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۳۸ھ

الشق الاوّل ...... قَالَ وَلَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ اَقَلَّ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ وَتَتَحَمَّلُ نِصْفَ الْعُشْرِ فَصَاعِدًا وَالْاَصْلُ فِيْهِ حَدِيْثُ اِبْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوْفًا عَلَيْهِ وَمَرْفُوْعًا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَاتَعْقِلُ الْعَوَاقِلُ عَمَدًا وَلَا عَبْدًا وَلَا صُلْحًا وَلَا اِعْتِرَافًا وَلَا مَا دُوْنَ اَرْشِ الْمُوْضِحَةِ وَاَرْشُ الْمُوْضِحَةِ نِصْفُ عُشْرِ بَدْلِ النَّفْسِ وَلِاَنَّ التَّحَمُّلَ لِلتَّحَرُّزِ عَنِ الْاِجْحَافِ وَلَااِجْحَافَ فِى الْقَلِيْلِ وَاِنَّمَا هُوَ فِى الْكَثِيْرِ وَالتَّقْدِيْرُ الْفَاصِلُ عُرِفَ بِالسَّمْعِ.

شكّل العبارة وترجمها الى الاردية ـ اشرح المسئلة المذكورة فى العبارة شرحًا وافيًا ـ (اشرف الہدایہ ج۱۶ص۱۷)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) مسئلہ کی تشریح۔

جواب ...... ① **عبارت پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔**

② **عبارت کا ترجمہ:۔** امام قدوریؒ نے فرمایا کہ عاقلہ دیت کے نصف عشر سے کم دیت نہیں دینگے اور وہ نصف عشر یا اُس سے زیادہ کا تحمل کرینگے اور اس میں اصل و دلیل حضرت ابن عباس ؓ کی موقوف و مرفوع حدیث ہے کہ عواقل قتل عمد کی دیت نہ دیں اور نہ غلام کی اور نہ صلح کی اور نہ اعتراف کی اور نہ موضحہ کے ارش سے کم کی اور موضحہ کا ارش نفس کے بدل کا نصف عشر ہے اور اسلئے کہ تحمل پریشانی سے بچنے کیلئے ہے اور قلیل میں پریشانی نہیں ہے بلکہ وہ کثیر میں ہے اور قلیل وکثیر کے درمیان حد فاصل سماع سے معلوم ہوگئی ہے۔

③ **مسئلہ کی تشریح:۔** اس عبارت میں عاقلہ پر دیت کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عاقلہ پر دیت کے بیسویں حصہ سے کم مقدار میں دیت لازم نہیں کی جائیگی بلکہ وہ دیت کا بیسواں حصہ یا اُس سے زیادہ ہی ادا کریں گے کیونکہ عاقلہ پر دیت کا وجوب اسلئے ہوا ہے تاکہ قاتل پریشانی میں مبتلا نہ ہو اور وہ پریشانی میں اُسی وقت مبتلا ہوگا جب دیت زیادہ ہو اور اگر دیت کم ہوگی تو وہ پریشانی میں مبتلا نہ ہوگا اور قلیل وکثیر کا اندازہ عقل سے نہیں ہوسکتا بلکہ یہ بات نص سے معلوم ہوچکی ہے کہ اگر پوری دیت بیسویں حصہ سے بھی کم ہو تو اُسکو عاقلہ ادا نہیں کرینگے بلکہ اس کو قاتل خود ادا کریگا البتہ اگر بیسواں حصہ یا اُس سے زیادہ مقدار میں دیت ہو تو اسے کثیر سمجھا جائیگا اور وہ عاقلہ پر لازم ہوگی۔ عاقلہ پر دیت لازم ہونے کی دلیل حضرت ابنِ عباس ؓ کی موقوف و مرفوع حدیث ہے جس میں پانچ چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ ① قتلِ عمد کی ذمہ داری عاقلہ پر نہیں ہے۔ ② اگر غلام نے قتل کیا تو اس کی ذمہ داری آقا کے خاندان پر نہ ہوگی بلکہ ولی جنایت کو یہ غلام ہی دے دیا جائیگا۔ ③ اگر قاتل نے قتلِ عمد کی صورت میں مال پر صلح کرلی تو یہ مال عاقلہ پر لازم نہ ہوگا بلکہ قاتل پر لازم ہوگا۔ ④ اگر قاتل نے خود قتل کا اعتراف کرلیا اور عاقلہ نے اسکی تکذیب کی پھر بھی عاقلہ پر دیت لازم نہ ہوگی۔ ⑤ موضحہ کے ارش سے کم جو مالی تاوان لازم ہو اُس کو عاقلہ ادا نہیں کرینگے بلکہ قاتل ہی ادا کریگا۔ (اشرف الہدایہ)

الشق الثانی ...... **وَاِنْ اَوْصٰی لِاَحَدِهِمَا بِجَمِيْعِ مَالِهٖ وَلِاٰخَرَ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا عَلٰی اَرْبَعَةِ اَسْهُمٍ عِنْدَهُمَا وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ اَلثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَلَا يَضْرِبُ اَبُوْحَنِيْفَةَ لِلْمُوْصٰی لَهٗ مَازَادَ عَلَی الثُّلُثِ اِلَّا فِی الْمُحَابَاةِ وَالسِّعَايَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ۔** (اشرف الہدایہ ج۱۶ ص۱۰۲)

شكّل العبارة ثم ترجمها۔ وضّح خلاف الصاحبين والامام بالمثال۔ ماهو مراد صاحب الهداية بقوله ولايضرب ابوحنيفة للموصى له......؟ اشرح المحاباة والسعاية والدراهم المرسلة شرحًا واضحًا فی ضوء الامثلة

﴿ **خلاصۂ سوال** ﴾...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) ائمہ کے اختلاف کی وضاحت بالمثال (۴) **ولايضرب ابوحنيفة للموصى له الخ** کی مراد (۵) محابہ، سعایہ، دراہم مرسلہ کی تشریح۔

جواب ...... ① **عبارت پر اعراب:۔ کما مرّ فی السوال آنفا۔**

② **عبارت کا ترجمہ:۔** اور اگر موصی نے اُن دونوں میں سے ایک کے لئے کُل مال کی اور دوسرے کے لئے ثلث مال کی وصیت کی اور ورثاء نے اس کی اجازت نہیں دی تو صاحبینؒ کے نزدیک ثلث مال اُن دونوں کے درمیان چار حصوں پر تقسیم ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ثلث مال اُن دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ موصی لہٗ کے لئے ثلث سے زیادہ میں تناسب کا لحاظ نہیں کرتے مگر محاباۃ، سعایہ اور دراہم مرسلہ میں۔

③ **ائمہ کے اختلاف کی وضاحت بالمثال:۔** اگر موصی نے زید کیلئے اپنے پورے مال کی اور خالد کے لئے ثلث مال کی وصیت کی اور ورثاء نے اس وصیت کی اجازت نہ دی تو اس صورت میں ائمہ حنفیہ کا اختلاف ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ثلث مال کے چار حصے کیے جائیں گے اُن میں سے تین حصے زید کو اور ایک حصہ خالد کو ملے گا اس لئے کہ موصی نے دو چیزوں کا ارادہ کیا ہے۔ ① وہ کل مال کا مستحق ایک شخص کو کرنا چاہتا ہے ② وہ زید کو خالد پر ترجیح دینا چاہتا ہے۔ ان میں سے پہلا ارادہ ورثاء کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے پورا نہیں ہوسکتا مگر دوسرا ارادہ (ترجیح وتفضیل) پورا ہونے میں کوئی مانع نہیں ہے لہٰذا اُس کو پورا کیا جائے گا۔ جبکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ثلث مال کے دو حصے کیے جائیں گے، زید وخالد دونوں کو نصف نصف ملے گا۔ کیونکہ ثلث سے زائد کی وصیت ورثاء کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے جب زائد وصیت باطل ہوگئی تو ثلث میں دونوں برابر ہو گئے لہٰذا ثلث مال دونوں میں برابر تقسیم کیا جائیگا۔

④ **ولا یضرب ابوحنیفة للموصی له الخ کی مراد:۔** اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک موصی لھما کے حقوق کا تناسب ثلث مال تک دیکھا جاتا ہے اس سے زائد نہیں پس اگر وصیت ثلث سے بڑھ جائے تو پھر حقوق کا تناسب نہیں دیکھا جاتا بلکہ دونوں کو ثلث میں برابر شریک کر دیا جاتا ہے۔ البتہ محابہ، سعایہ، دراہم مرسلہ اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔

⑤ **محابہ، سعایہ، دراہم مرسلہ کی تشریح:۔** ''محابہ'' زید کے دو غلام ہیں اُن میں سے ایک کی قیمت ۱۱۰۰ دوسرے کی ۶۰۰ روپے ہے، زید نے پہلے غلام کی وصیت خالد کے لئے اور دوسرے کی بکر کے لئے کی اور کہا کہ یہ غلام خالد وبکر کو سو، سو روپے میں فروخت کر دینا اور اس نے دونوں غلاموں کے علاوہ اتنا مال چھوڑا ہے جو اُن کا دو ثلث یا زیادہ ہے تو پھر یہ وصیت پوری نافذ ہوگی اور اگر زید نے اِن غلاموں کے علاوہ کوئی مال نہیں چھوڑا تو پھر یہ وصیت ثلث میں نافذ ہوگی اور وہ ثلث خالد وبکر کو اُن کے حق کے تناسب سے ملے گا گویا زید نے خالد کے لئے ۱۰۰۰ روپے اور بکر کے لئے ۵۰۰ روپے کی وصیت کی ہے تو اس (۱۵۰۰) کا ثلث ۵۰۰ ہے، تو خالد کو ۵۰۰ کے دو ثلث اور بکر کو ۵۰۰ کا ایک ثلث ملے گا باقی قیمت وہ موصی کے ورثاء کو ادا کریں گے۔ تو یہاں پر امام صاحب نے نصف نصف والے اپنے اصول کو چھوڑ دیا اور کہا کہ حق کے تناسب کے حساب سے ثلث کو تقسیم کیا جائے گا۔

''سعایہ'' زید نے اپنے دو غلاموں کی آزادی کی وصیت کی اور زید کا ان دو غلاموں کے علاوہ کوئی مال نہیں ہے، اُن میں سے ایک کی قیمت ۲۰۰۰ دوسرے کی ۱۰۰۰ ہے تو یہ وصیت ثلث میں نافذ ہوگی اور اُن دونوں پر دو ثلث قیمت لازم ہوگی جو یہ کما کر ورثاء کے سپرد کریں گے مگر اس ثلث کے اندر دونوں کی قیمت کے تناسب سے تقسیم ہوگی، دونوں کی قیمت کا مجموعہ ۳۰۰۰ ہے جس کا ثلث ۱۰۰۰ ہے تو جس غلام کی قیمت ۲۰۰۰ ہے اُس کی قیمت میں سے ۶۶۶ روپے آزاد (ساقط) ہو جائیں گے اور باقی ۱۳۳۴ روپے وہ کما کر ورثاء کو دے گا اور جس غلام کی قیمت ۱۰۰۰ روپے ہے اس کی قیمت میں سے ۳۳۳ روپے آزاد ہو جائیں گے اور بقیہ ۶۶۷ روپے وہ کما کر ورثاء کو دے گا۔

''دراہم مرسلہ'' زید دو شخصوں مثلاً خالد کے لئے ۲۰۰ روپے اور بکر کے لئے ۱۰۰ روپے کی وصیت کرتا ہے اور یہ متعین نہیں کرتا کہ ثلث اُس کا اور نصف اس کا، بلکہ مطلقاً ۲۰۰ اور ۱۰۰ کہتا ہے اور اُس کے پاس صرف یہی مال ہے تو یہ وصیت صرف ثلث یعنی ۱۰۰ میں نافذ ہوگی جن میں سے خالد کو ۶۷ اور بکر کو ۳۳ روپے ملیں گے۔

﴿الورقة السادسة: فی الفقه هدایه رابع﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۳۹ھ

الشق الاوّل ...... اِذَا بَنَی الْمُشْتَرِیْ اَوْ غَرَسَ ثُمَّ قُضِیَ لِلشَّفِیْعِ بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِالثَّمَنِ وَقِیْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَاِنْ شَاءَ كَلَّفَ الْمُشْتَرِیْ قَلْعَهٗ۔ وَعَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ اَنَّهٗ لَا یُكَلَّفُ الْقَلْعَ وَیُخَیَّرُ بَیْنَ اَنْ یَّاْخُذَ بِالثَّمَنِ وَقِیْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَبَیْنَ اَنْ یَّتْرُكَ، وَبِهٖ قَالَ الشَّافِعِیُّ اِلَّا اَنَّ عِنْدَهٗ لَهٗ اَنْ یَّقْلَعَ وَیُعْطِیَ قِیْمَةَ الْبِنَاءِ۔

شکّلوا العبارة وبينوا المسألة واوضحوا الاختلاف بين ظاهر الرواية وابى يوسف الشافعى۔ اذكر الفرق بين قول ابى يوسف والشافعى رحمهما الله۔ وكذلك اذكر دليل ابى يوسف مع وجه ظاهر الرواية۔ والجواب مع الايضاح للمسائل المستشهدة بها من ابى يوسف بقوله وصار كالموهوب له والمشترى شراء فاسدا وكذا اذا زرع المشترى۔ (اشرف الہدایہ ج۱۳ص۶۵)

﴿خلاصہ سوال﴾......اس سوال کا حل تین امور ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) مسئلہ واختلاف کی وضاحت (۳) ائمہ کے دلائل وجواب۔

جواب...... ① عبارت پر اعراب:۔ كما مرّ فى السوال آنفا۔

② مسئلہ واختلاف کی وضاحت:۔ مشتری نے کوئی مکان خریدا، اُس کے بعد اس میں تعمیر بنالی یا باغ لگالیا پھر قاضی نے شفیع کے لئے شفعہ کا فیصلہ کردیا تو ظاہر الروایہ کے مطابق شفیع کو دو باتوں کا اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو اُس زمین کے ثمن اور تعمیر و باغ کی قیمت دے کر اُس کو لے لے اور اگر چاہے تو مشتری سے کہے اپنی تعمیر و باغ کو اکھاڑ کر لے جا اور میری زمین فارغ کردے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مشتری کو تعمیر و باغ اکھاڑنے کا مکلف نہیں کیا جائے گا بلکہ شفیع کو دو اختیار ملیں گے اگر چاہے تو تعمیر وغرس کی قیمت دے اور زمین کے ثمن ادا کر کے مشفوع لے لے اور اگر چاہے تو شفعہ ہی چھوڑ دے۔

امام شافعیؒ کا بھی امام ابو یوسفؒ والا قول ہے البتہ وہ تیسری چیز کا بھی اختیار دیتے ہیں کہ شفیع اگر چاہے تو مشتری کو اپنی تعمیر توڑنے کا حکم دے اور اس توڑنے کی وجہ سے اس کی مالیت میں جو کمی آئی ہے اُس کمی ونقصان کا ازالہ کرے۔

③ ائمہ کے دلائل وجواب:۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مشتری اپنی تعمیر و باغ لگانے میں حق پر ہے۔ مشتری نے ظلماً کوئی تعمیر و باغ والا کام نہیں کیا بلکہ اپنی مِلک میں ہی تصرف کیا ہے لہٰذا اُس کو اکھاڑنے کا حکم دینا ظلم و زیادتی ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے اس مسئلہ پر تین شواہد بھی پیش کئے ہیں۔ ① اگر واہب نے کوئی زمین کسی کو ہبہ کردی اور موہوب لہٗ نے اُس کی تعمیر کرلی، اُس کے بعد واہب وہ زمین واپس لینا چاہے کہ مَیں اس تعمیر کو گرا کر زمین واپس لے لوں تو اُسے یہ اختیار نہ ہوگا۔ ② مشتری نے شراءِ فاسد کے طور پر کوئی زمین خریدی اور اُس پر مکان تعمیر کرلیا، اُس کے بعد بائع وہ زمین واپس لینا چاہے کہ مَیں اس تعمیر کو گرا کر زمین واپس لے لوں تو اُسے یہ اختیار نہ ہوگا۔ ③ مشتری نے زمین خریدی اور اُس میں کھیتی کی فصل کھڑی ہوئی ہے کہ اس دوران قاضی نے شفیع کے حق میں اُس زمین کا فیصلہ کردیا اور شفیع چاہتا ہے کہ فصل کٹوا کر زمین پر قبضہ کرلوں تو شفیع کو یہ حق حاصل نہ ہوگا۔ پس متن میں مذکور اصل مسئلہ میں بھی مشتری کو اکھاڑنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

ظاہر الروایہ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمہ اصول ہے کہ اگر کسی چیز میں کسی کا حق ہے اور کوئی دوسرا شخص اُس میں صاحبِ حق کی اجازت وتسلط کے بغیر کوئی تصرف کرلے تو اسکے تصرف کو توڑ دیا جاتا ہے تو یہاں شفیع کا حق ہے اور اس نے مشتری کو تعمیر و باغ لگانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ لہٰذا مشتری کو توڑنے کا پابند کیا جاسکتا ہے۔ یہ بعینہ ایسے ہی ہے کہ راہن نے مرہونہ زمین میں مکان بنالیا، اگرچہ یہ مرہونہ زمین راہن کی ملکیت ہے مگر اس سے مرتہن کا حق وابستہ ہے۔ اس حق کی وابستگی کی وجہ سے راہن کے تصرف کو توڑ دیا جاتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے پہلے ودوسرے قیاس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ ہبہ میں موہوب لہٗ واہب کی طرف سے اور بیع فاسد میں مشتری بائع کی جانب سے تصرف کرنے پر مسلط تھا جبکہ یہاں پر مشتری شفیع کی جانب سے تصرف پر مسلط نہیں ہے۔ لہٰذا قیاس درست نہیں۔ تیسرے قیاس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس بھی صحیح نہیں کیونکہ کھیتی کے معاملہ میں قیاس یہ کہتا ہے کہ وہ اکھاڑی جائے گی اور استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ نہیں اکھاڑی جائے گی، اس لئے کہ کھیتی کی مدت معلوم ہے جبکہ شفعہ

میں تعمیر اور باغات کی مدت معلوم ہی نہیں۔ لہٰذا تعمیر و باغات کو کھیتی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

الشق الثانی ...... وفی الدابتین لا یجوز التهایؤ علی الرکوب عند ابی حنیفة" وعندهما یجوز۔ اکتب معنی المهایاة لغةً، وما هو المراد بها فی عرف الفقهاء؟ القیاس یأبی جواز المهایأة فاذا ما هو دلیل الجواز؟ اشرح الخلاف المذکور بین الامام ابی حنیفةؒ والصاحبین مع الدلیل للفریقین۔ هل التهایؤ فی الرکوب فی دابة واحدة علیٰ هذا الخلاف بین الامام والصاحبین ام لا؟ قال المصنفؒ ولو کان نخل او شجر او غنم بین اثنین فتهایئا علیٰ ان یأخذ کل واحد منهما طائفة یستثمرها او یرعاها ویشرب البانها لا یجوز۔ ما هو سبب عدم الجواز فی المسئلة المذکورة؟ وما هی الحیلة فی الجواز؟ (اشرف الہدایہ ج۱۳ ص۱۶۳)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں پانچ امور مطلوب ہیں (۱) **مہایاۃ** کا لغوی و مرادی معنی اور جواز کی دلیل (۲) اختلاف کی تشریح مع الدلائل (۳) ایک سواری میں **تہایؤ** کے جواز میں اختلاف کی وضاحت (۴) "**ولو کان نخل الخ**" کے عدم جواز کا سبب (۵) جواز کا حیلہ۔

جواب ...... ❶ **مہایاۃ کا لغوی ومرادی معنی اور جواز کی دلیل:۔** **مہایاۃ** کا لغوی معنی منافع کو تقسیم کرنا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں **مہایاۃ** سے مراد کسی مشترکہ چیز کے منافع میں باہم بٹوارہ وتقسیم کرنا ہے۔

قیاس کے اعتبار سے **مہایاۃ** جائز نہیں ہونا چاہیے مگر استحساناً اسے جائز قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ کبھی اجتماعی طور پر نفع حاصل کرنا متعذر ہو جاتا ہے تو یہ تقسیم کے مشابہ ہوگیا تو جیسے وہاں عین میں اجتماع کے مشکل ومتعذر ہونے کی وجہ سے عین کا بٹوارہ کردیا جاتا ہے اور وہ جائز ہے اسی طرح یہاں پر بھی اجتماعی طور پر انتفاع کے متعذر ہونے کی وجہ سے بٹوارہ کیا جاسکتا ہے۔ اور جیسے قسمت میں قاضی کا جبر جائز ہے اسی طرح یہاں بھی قاضی کا جبر جائز ہوگا۔

❷ **اختلاف کی تشریح مع الدلائل:۔** مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اختلاف کو سمجھیں کہ زید وعمرو کے درمیان دو گھوڑے مشترک ہیں، انہوں نے اس میں اس طور پر بٹوارہ کیا کہ ایک پر زید سوار ہوا کرے اور دوسرے پر عمرو یا ایک ہی گھوڑا دونوں کے درمیان مشترک ہے اور انہوں نے طے کیا کہ اس پر ایک ہفتہ زید سوار ہوگا اور ایک ہفتہ عمرو سوار ہوگا تو صاحبینؒ نے اعیان کی تقسیم پر قیاس کرتے ہوئے اس کو جائز کہا ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک اعیان کی تقسیم میں بھی یہی حکم ہے۔ نیز امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ سوار سوار میں فرق ہوتا ہے، ایک سوار شاہسواری میں ماہر ہوتا ہے جس سے گھوڑے کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور دوسرا سوار بالکل اناڑی وجاہل ہوتا ہے جس سے گھوڑے کو نقصان پہنچ سکتا ہے اس لئے منافع کی یہ تقسیم جائز نہیں ہے۔

❸ **ایک سواری میں تہایؤ کے جواز میں اختلاف کی وضاحت:۔** مذکورہ مسئلہ کی طرح اگر ایک سواری کے منافع میں بھی بٹوارہ کرنا چاہیں تو یہی اختلاف ہے۔

❹ **"ولو کان نخل الخ" کے عدم جواز کا سبب:۔** اگر کچھ درخت یا جانور دو آدمیوں میں مشترک ہوں اور انہوں نے یہ طے کیا کہ کچھ جانور ایک لے لے، ان کو چرائے اور ان کا دودھ پیئے۔ اسی طرح کچھ جانور دوسرا لے کر اُن کو چرائے اور دودھ پیئے اور درختوں میں بھی اسی طرح تقسیم کی تو یہ صورت جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہاں جانور سے دودھ اور درخت سے پھل حاصل ہوں گے جو کہ عرض نہیں بلکہ عین وجوہر ہیں اور ان میں بقاء ہے تو جب یہ اعیان کا بٹوارہ ہوسکتا ہے تو پھر منافع کا بٹوارہ جائز نہ ہوگا۔

❺ **جواز کا حیلہ:۔** مذکورہ صورت میں جانور و درختوں کے پھل و دودھ کے متعلق بٹوارہ کے جائز ہونے کے دو حیلے وطریقے ذکر

کئے گئے ہیں۔ ① مثلاً دو شخصوں میں سے زید کو چاہیے کہ بکر کی باری میں اپنا حصہ بھی بکر کے ہاتھ فروخت کردے اب وہ سب کچھ بکر کی مِلک ہوگیا اور اس کے لئے نفع اٹھانا جائز ہوگیا پھر جب اُس کی باری ختم ہونے کا وقت آئے تو بکر تمام درخت اور جانور زید کے ہاتھ فروخت کردے اب زید اس سے نفع اٹھائے۔ ② زید ان سارے جانوروں کو اپنے پاس ہی رکھے اور بکر کے حصے کا دودھ قرض لے لے، پھر جب بکر کی باری آئے تو وہ بھی ایسا ہی کرے کہ سارے جانور اپنے پاس رکھے اور زید کے حصے کا دودھ قرض لے لے۔ یہ دودھ جو قرض لیا گیا ہے یہ مشاع ہے لیکن مشاع چیز کا قرض جائز ہے۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۳۹ھ

الشق الاول ...... قال القدوری واذا سلمه اليه فقبضه دخل فی ضمانه وقال الشافعیؒ هو امانة فی يده، ولا يسقط شئ من الدين بهلاكه لقوله عليه السلام لَا يُغْلَقُ الرَّهْنُ قَالَهَا ثَلَاثًا لِصَاحِبِهٖ غُنْمُهٗ وَعَلَيْهِ غُرْمُهٗ.

ما هو معنى الرهن فی اللغة والشريعة؟ اذكر دليلا على مشروعية الرهن من الكتاب والسنة، ما هو ركن الرهن؟ وهل انعقد الاجماع على جواز الرهن ام لا؟ اذكر فی مسألة المتن قول الاحناف مع الدليل۔ وأجب عن الحديث المذكور الذی احتج به الشافعیؒ۔ (اشرف الہدایہ ج۱۴ص۱۵۰)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ...... اس سوال میں تین امور مطلوب ہیں (۱) رہن کا لغوی وشرعی معنی اور مشروعیت کی دلیل (۲) رہن کا رکن اور جوازِ رہن پر اجماع منعقد ہونے کی وضاحت (۳) مسئلہ مذکورہ میں اختلاف مع الدلائل۔

جواب ...... ① رہن کا لغوی وشرعی معنی اور مشروعیت کی دلیل:۔ کملرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۷ھ

② رہن کا رکن اور جوازِ رہن پر اجماع منعقد ہونے کی وضاحت:۔ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ صرف ایجاب ہی رہن کا رکن ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ایجاب وقبول دونوں رہن کے رکن ہیں۔ رہن کے جواز پر اجماع بھی منعقد ہے۔

③ مسئلہ مذکورہ میں اختلاف مع الدلائل:۔ راہن نے مرہون کو مرتہن کے سپرد کردیا اور مرتہن نے اس پر قبضہ کرلیا تو مرہون مرتہن کے ضمان میں داخل ہوگیا لہٰذا اب اگر وہ ہلاک ہوگا تو اس صورت میں مرتہن پر اُس کی ضمان لازم ہوگی جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مرہون مرتہن کے قبضہ میں بطور امانت ہے لہٰذا اس کے ہلاک ہونے سے دَین میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا۔

امام شافعیؒ نے مذکورہ حدیث "لَا يُغْلَقُ الرَّهْنُ قَالَهَا ثَلَاثًا لِصَاحِبِهٖ غُنْمُهٗ وَعَلَيْهِ غُرْمُهٗ" سے بایں طور استدلال کیا ہے کہ رہن قرضہ کے بدلے مضمون نہیں ہوتا بلکہ رہن امانت ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر قرض کی دستاویز لکھی جائے اور وہ دستاویز ہلاک ہوجائے تو اس سے قرض ساقط نہیں ہوتا اسی طرح رہن کا مقصد بھی وثیقہ، مضبوطی اور پختگی ہے لہٰذا رہن کے ہلاک ہونے کی وجہ سے بھی دَین ساقط نہ ہوگا۔

ہماری دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ آپ ﷺ نے مرتہن سے فرمایا جب کہ اُس کے پاس رہن کا گھوڑا ہلاک ہوگیا تھا کہ تیرا حق ختم ہوگیا ہے۔ یہ ارشاد واضح دلیل ہے کہ رہن مضمون ہوتا ہے۔ نیز دوسری حدیث ہے کہ جب رہن کی قیمت مشتبہ ہوجائے کہ دَین سے کم ہے یا زیادہ یا مساوی تو رہن کو دَین کے برابر شمار کریں گے اور رہن کی ہلاکت سے پورا قرضہ ساقط ہوجائے گا۔ ہماری تیسری دلیل صحابہؓ اور تابعین کا اجماع ہے کہ رہن مضمون ہوتا ہے۔ اگرچہ ضمان کی کیفیت میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ کی ذکر کردہ حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ رہن بالکلیہ مرتہن کا مملوک ہوجائے، ایسا نہیں ہوگا۔ یعنی رہن کو بند نہ کیا جائے کہ مرتہن پورے رہن کا بالکلیہ مالک ہوجائے بلکہ اس کو فروخت کرنے سے مرتہن کا قرض ادا کر کے کچھ بچ جائے تو راہن اس

کا مالک ہوگا اور اگر اس کی قیمت قرض کو پورا نہ کرے تو راہن وہ زائد قرض ادا کرے گا۔

الشق الثانی ...... قَالَ الْقُدُوْرِیُ وَاِذَا ضَرَبَ بَطْنَ اِمْرَاَةٍ، فَاَلْقَتْ جَنِیْنًا مَیْتًا فَفِیْهِ غُرَّةٌ وَهِیَ نِصْفُ عُشْرِ الدِّیَةِ وَهِیَ عَلَی الْعَاقِلَةِ عِنْدَنَا اِذَا كَانَتْ خَمْسَ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَقَالَ مَالِكٌ فِیْ مَالِهٖ لِاَنَّهٗ بَدَلُ الْجُزْءِ. وَلَنَا اَنَّهٗ علیہ السلام قَضٰی بِالْغُرَّةِ عَلَی الْعَاقِلَةِ وَلِاَنَّهٗ بَدَلُ النَّفْسِ وَلِهٰذَا سَمَّاهُ علیہ السلام دِیَةً، حَیْثُ قَالَ دُوْهُ، وَقَالُوْا اَنَدِیْ مَنْ لَا صَاحَ وَلَا اِسْتَهَلَّ الحدیث، اِلَّا اَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ مَا دُوْنَ خَمْسِ مِائَةٍ.

شکّل العبارۃ وترجمہا۔ اشرح الالفاظ التی فوقہا خط۔ یقتضی القیاس ان لا یجب شیئ فی البطن لانہ لم یتیقن بحیاتہ فلماذا ترکنا القیاس؟ (اشرف الہدایہ ج۱۵ص۱۵۹)

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں چار امور مطلوب ہیں (۱) عبارت پر اعراب (۲) عبارت کا ترجمہ (۳) الفاظ مخطوطہ کی تشریح (۴) جنین کے حکم میں قیاس ترک کرنے کی وجہ۔

جواب ...... ❶ عبارت پر اعراب:۔ کمامرّ فی السوال آنفا۔

❷ عبارت کا ترجمہ:۔ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ جب عورت کے پیٹ پر مارا اور اُس نے مردہ ہونے کی حالت میں جنین کو گرا دیا تو اُس میں ایک غرّہ ہے اور یہ غرّہ دیت کے عشر کا نصف ہے۔ اور یہ دیت ہمارے نزدیک عاقلہ پر ہے جب کہ یہ پانچ سو درہم ہو اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ یہ دیت اس کے اپنے مال میں ہے، اِس لئے کہ یہ جزء کا بدل ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے غرّہ کا فیصلہ عاقلہ پر فرمایا اور اس لئے کہ یہ غرّہ نفس کا بدل ہے اِسی لئے آپ ﷺ نے اس کا نام دیت رکھا جب کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی دیت ادا کرو اور انہوں نے کہا کہ کیا ہم اُس کی دیت ادا کریں جو نہ چلایا ہے اور نہ رویا ہے؟۔ مگر پانچ سو درہم سے کم کی دیت نہیں دیں گے۔

❸ الفاظ مخطوطہ کی تشریح:۔ "جَنِیْنٌ" لغوی معنی اخفاء ہے اور اصطلاح میں وہ بچہ جو ابھی پیٹ میں ہی ہو۔

"عَاقِلَةٌ" یہ جمع ہے اسکا مفرد عَاقِلٌ ہے بمعنی دیت ادا کرنیوالا۔ اس سے اہلِ دیوان یعنی ایک ہی کمپنی کے افراد مراد ہیں۔

"اَنَدِیْ" ہمزہ استفہامیہ ہے۔ یہ وَدْیًا وَدِیَةً (ضرب) سے جمع متکلم کا صیغہ ہے بمعنی دیت دینا۔

"صَاحَ" یہ صَیْحًا (ضرب) سے ماضی معلوم کا صیغہ ہے بمعنی چیخنا، چلانا۔

"اِسْتَهَلَّ" یہ اِسْتِهْلَالٌ (استفعال) سے ماضی معلوم کا صیغہ ہے بمعنی آواز نکالنا۔

❹ جنین کے حکم میں قیاس ترک کرنے کی وجہ:۔ کمامرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۷ھ۔

﴿الورقۃ السادسۃ : فی الفقہ ہدایہ رابع﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاول ...... اِذَا بَنَى الْمُشْتَرِیُ اَوْ غَرَسَ ثُمَّ قُضِیَ لِلشَّفِیْعِ بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِالثَّمَنِ وَقِیْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَاِنْ شَاءَ كَلَّفَ الْمُشْتَرِیْ قَلْعَهٗ. وَعَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ اَنَّهٗ لَا یُكَلَّفُ الْقَلْعَ وَیُخَیَّرُ بَیْنَ اَنْ یَاْخُذَ بِالثَّمَنِ وَقِیْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَبَیْنَ اَنْ یَتْرُكَ.

عرّف الشفعۃ لغۃً واصطلاحًا واکتب سببہا۔ اشرح العبارۃ مع اختلاف أئمۃ الأحناف فیہا فی ضوء الأدلۃ۔ ماہومذہب الامام الشافعی وما الفرق بین مذہبہ ومذہب الامام ابی یوسف۔

جواب......كما مرّ فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۶ھ ۱۴۳۹ھ۔

الشق الثانی...... قال: واذا غلط رجلان فذبح كل واحد منهما اضحية الاخر أجزى عنهما ولا ضمان عليهما وهذا استحسان، واصل هذا .... ولا يجزيه من الاضحية فی القياس وهو قول زفروفی الاستحسان يجوز.

عرّف الاضحية لغةً و شرعًا۔ اشرح المسألة المذكورة مع توضيح الاصل المذكور و اكتب وجهی القياس والاستحسان فيها حسب ما ذكر هما صاحب الهداية۔ هل يجوز تضحية شاة الغصب والوديعة بعد أداء الضمان أم لا؟ وضّح المسألة بالدليل۔

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① اضحیہ کی لغوی وشرعی تعریف ② مسئلہ کی وضاحت اور قیاس واستحسان کی وجہ ③ مغصوبہ ومودوعہ بکری کی قربانی کا حکم مع دلیل۔

جواب...... ① **اضحیہ کی لغوی وشرعی تعریف:۔** اضحیہ لغت میں اُس بکری کو کہتے ہیں جس کو ضحوہ یعنی چاشت کے وقت ذبح کیا جائے اور اصطلاحِ شرع میں اضحیہ مخصوص جانور کو مخصوص وقت میں قربت وثواب کی نیت سے ذبح کرنا ہے۔

② **مسئلہ کی وضاحت اور قیاس واستحسان کی وجہ:۔** كما مرّ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۳۵ھ۔

③ **مغصوبہ ومودوعہ بکری کی قربانی کا حکم مع دلیل:۔** کسی آدمی نے دوسرے شخص کی بکری غصب کی اور اسکی قربانی کردی تو یہ قربانی جائز ہے اور غاصب پر اسکی ضمان لازم ہے۔ کیونکہ غصب سابق کی وجہ سے غاصب ذبح سے پہلے اس کا مالک تھا، لہٰذا قربانی درست ہوگئی۔ اگر کسی آدمی کے پاس کوئی بکری ودیعت رکھی گئی تھی اور اس آدمی نے اسکی قربانی کردی تو یہ قربانی جائز نہیں ہے۔ اگر چہ یہاں بھی غاصب پر اسکی ضمان لازم ہے مگر یہ ضمان ودیعت کی وجہ سے نہیں بلکہ ذبح کی وجہ سے لازم ہے، معلوم ہوا کہ امین اس کا مالک ذبح کے بعد ہوا ہے حالانکہ قربانی کے جواز کیلئے ذبح سے پہلے مالک ہونا ضروری ہے۔

بالفاظِ دیگر غصب میں غاصب کی ملکیت غصب کے وقت سے ہی ثابت ہوگی اور ذبح اپنی ملک پر وارد ہوگا۔ جبکہ ودیعت میں ذبح کی وجہ سے غاصب ہے تو ذبح غیرِ ملک پر وارد ہوا ہے اسلئے قربانی درست نہیں ہے۔ (اشرف الہدایہ ۱۳:۲۶۷)

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل......واذا ارسل المسلم كلبه فزجره مجوسی فا نزجر بزجره فلا بأس بصيده...... ولو ارسله مجوسی فزجره مسلم فانزجر لم يوكل...... وان لم يرسله احد فزجره مسلم فانزجر فأخذ الصيد فلا بأس بأكله...... ولو ارسل المسلم كلبه علی صيد و سمی فادر كه فضربه و وقذه ثم ضربه فقتله اكل ، و كذا اذا ارسل كلبين فوقذه احدهما ثم قتله الآخر اكل...... ولو ارسل رجلان كل واحد منهما كلبًا فوقذه احدهما وقتله الاخر اكل لما قلنا والملك للاول.

ترجمة العبارة ۔عرّف الصيد لغةً و اصطلاحًا ۔ اشرح جميع المسائل المذكورة مع دلائلها كما ذكره صاحب الهداية۔ وضّح ان الارسال لو كان من المرتد او تارك التسمية عمدًا والزجر من المسلم او بالعكس فهل يجوز اكل الصيد ام لا؟۔ (اشرف الہدایہ ۱۴:۱۲۱)

﴿خلاصۂ سوال﴾......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت کا ترجمہ ② صید کا لغوی واصطلاحی معنی ③ مسائل کی تشریح مع الدلائل ④ مرتد وتارک التسمیہ عمدًا کے زجر وارسال کا حکم مع دلیل۔

جواب ❶ ......**عبارت کا ترجمہ:۔** کسی مسلمان نے اپنا کتا چھوڑا اور اسکو کسی مجوسی نے برانگیختہ کیا پس وہ برانگیختہ وتیز ہوگیا تو اس شکار کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے.....اور اگر کسی مجوسی نے کتا چھوڑا اور اسکو مسلمان نے برانگیختہ کیا پس وہ برانگیختہ وتیز ہوگیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا.....اور اگر کسی نے اسکو نہیں چھوڑا اور اسکو کسی مسلمان نے برانگیختہ کیا پس اس نے برانگیختہ وتیز ہوکر شکار پکڑلیا تو اس شکار کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے.....اگر مسلمان نے شکار پر اپنا کتا چھوڑا اور تسمیہ پڑھا، پس کتے نے شکار پکڑا اور اس کو مار کرست کر دیا پھر اسکو مار مار کر قتل کر دیا (مار ڈالا) تو یہ شکار کھایا جائے گا اور ایسے ہی جب دو شخصوں نے اپنا اپنا کتا چھوڑا پس ایک نے شکار کو ست کر دیا (وہ بھاگ نہیں سکتا) پھر دوسرے نے اس کو قتل کر دیا تو یہ شکار کھایا جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور شکار پہلے کتے کے مالک کا ہوگا۔

❷ **صید کا لغوی واصطلاحی معنی:۔** کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۰ھ

❸ **مسائل کی تشریح مع الدلائل:۔** اس عبارت میں شکار کے متعلق چند مسائل بیان کئے گئے ہیں: ① کسی مسلمان نے اپنا کتا چھوڑا اور اسکو کسی مجوسی نے برانگیختہ کیا اور للکارا اور وہ کتا برانگیختہ وتیز ہوگیا اور اس نے شکار پکڑلیا تو اس شکار کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، دلیل یہ ہے کہ مجوسی کے زجر کی وجہ سے مسلمان کا ارسال ختم نہیں ہوا، کیونکہ کسی فعل کا ختم ہونا اپنے سے قوی یا برابر والے فعل سے ہوتا ہے اور مجوسی کا فعل کمتر ہے اسلئے کہ وہ (زجر) ارسال کے تابع ہے اور تابع متبوع سے کمتر ہوتا ہے۔

② اگر کسی مجوسی نے کتا چھوڑا اور اسکو مسلمان نے برانگیختہ کیا پس وہ برانگیختہ وتیز ہوگیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا، دلیل یہی ہے کہ مسلمان کے زجر کی وجہ سے مجوسی کا ارسال ختم نہیں ہوا، یہی ارسال معتبر ہے اور مجوسی کا شکار حرام ہے۔

③ اگر کسی نے بھی کتے کو نہیں چھوڑا، وہ خود ہی شکار کے پیچھے بھاگا اور اسکو کسی مسلمان نے تسمیہ پڑھ کر برانگیختہ کیا پس اس نے برانگیختہ وتیز ہوکر شکار پکڑلیا تو اس شکار کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسلئے کہ خود شکار کا تعاقب کرنا اور زجر و برانگیختہ کرنا یہ دونوں فعل برابر ہیں اور برابر والے فعل سے نسخ ہوسکتا ہے، تو گویا یہاں مسلمان کے ارسال نے از خود کتے کے شکار کے پیچھے بھاگنے والے فعل کو ختم کر دیا، لہٰذا مسلمان کے ارسال کی وجہ سے یہ شکار حلال ہے۔

④ اگر مسلمان نے شکار پر اپنا کتا چھوڑا اور تسمیہ پڑھا، پس کتے نے شکار پکڑا اور اس کو مار کرست کر دیا پھر اسکو مار مار کر مار ڈالا تو یہ شکار بھی حلال ہے اسلئے کہ کتے کو یہ تعلیم نہیں دی جاسکتی کہ وہ شکار کو زخمی کرے تو اس کو نہ مارے بلکہ مالک کا انتظار کرے، وہ آکر اسکو ذبح کرے گا۔ جب یہ عمل تعلیم کے تحت داخل نہیں ہے تو اسکو عذر شمار کر کے معاف قرار دیا جائے گا۔

⑤ اسی طرح جب دو شخصوں نے اپنا اپنا کتا چھوڑا پس ایک نے شکار کو ست کر دیا کہ وہ بھاگ نہیں سکتا پھر دوسرے کتے نے اس کو قتل کر دیا تو یہ شکار بھی حلال ہے، کیونکہ مذکورہ دلیل کیوجہ سے شکار کو مار ڈالنے والا فعل عفو شمار کیا جائے گا۔ البتہ اس صورت میں شکار پہلے کتے کے مالک کا ہوگا کیونکہ پہلے کتے نے اس جانور کو شکار ہونے سے خارج کیا ہے۔

❹ **مرتد وتارک التسمیہ عمدًا کے زجر وارسال کا حکم:۔** مرتد وتارک التسمیہ عمدًا کا حکم مجوسی والا ہی ہے، جسکی مکمل تفصیل ابھی گزر چکی ہے۔ اسکے متعلق ضابطہ ذہن نشین کر لیں: اگر ارسال اور زجر جمع ہوجائیں تو ارسال معتبر ہوگا۔ لہٰذا اگر مسلمان نے ارسال کیا تو شکار حلال ہے اور اگر مجوسی وغیرہ نے ارسال کیا تو شکار حرام ہے۔۔

الشق الثانی ......" والرهن بالدرك باطل والكفالة بالدرك جائزه ...... قال: ويصح الرهن برأس مال السلم وبثمن الصرف والمسلم فيه ، وقال زفر : لا يجوز...... والرهن بالمبيع باطل لمابيّنا......

فان ھلك ذھب بغیر شيئ ، وان ھلك الرھن بثمن الصرف ورأس مال السلم فی مجلس العقد تمّ الصرف والسلم وصار المرتھن مستو فیًا لدینه ...... وان افترقاقبل ھلاك الرھن بطلا ......

عرّف الرھن لغةً و اصطلاحًا۔ ترجم العبارة سلسةً۔ اکتب صورة کل مسألة من المسائل المذکورة مع توضیح کل واحدة منھا حق التوضیح۔ (اشرف الہدایہ ۱۸۴:۱۴)

﴿خلاصۂ سوال﴾ ......اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① رہن کی لغوی واصطلاحی تعریف ② عبارت کا ترجمہ ③ مسائل کی صورت ووضاحت۔

جواب ...... ① رہن کی لغوی واصطلاحی تعریف:۔ کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۷ھ

② **عبارت کا ترجمہ:۔** رہن بالدرک باطل ہے اور کفالہ بالدرک جائز ہے ..... امام قدوریؒ نے فرمایا: بیع سلم کے رأس المال کے بدلہ، بیع صرف کے ثمن کے بدلہ اور مسلم فیہ کے بدلہ میں رہن صحیح ہے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے ..... مبیع کے بدلہ میں رہن باطل ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں ..... پس اگر مرہونہ چیز ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگی اور اگر مجلسِ عقد میں بیع صرف کے ثمن اور بیع سلم کے رأس المال کے عوض کا رہن ہلاک ہو جائے تو بیع صرف و بیع سلم تام ہو گئیں اور مرتہن اپنا قرض وصول کرنے والا ہو گیا ..... اور اگر رہن کی ہلاکت سے پہلے وہ دونوں جدا ہو گئے تو دونوں عقد باطل ہو جائیں گے۔

③ **مسائل کی صورت ووضاحت:۔** اس عبارت میں رہن کے متعلق چند مسائل بیان کئے گئے ہیں: ① رہن بالدرک باطل ہے اور کفالہ بالدرک جائز ہے۔ ''درک'' خسارہ کو کہتے ہیں۔ مسئلہ یہ بیان کیا کہ خسارہ کے بدلہ میں گارنٹی کے طور پر کوئی چیز رہن رکھنا صحیح نہیں ہے، البتہ خسارہ کا کفیل بننا صحیح ہے۔ مثلاً زید بکر سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے مگر خسارہ کا خطرہ وڈر ہے، خالد کہتا ہے کہ میں خسارہ کا کفیل وذمہ دار ہوں تو یہ صحیح ہے، مگر اس احتمالی خسارے کے عوض رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ رہن کا مقصد کسی حق کی وصولی ہے اور یہاں ایسا کوئی واجبی حق نہیں ہے جسکی وصولی کرنی ہو۔

بیع سلم کے رأس المال کے بدلہ، بیع صرف کے ثمن کے بدلہ اور مسلم فیہ کے بدلہ میں رہن رکھنا صحیح ہے۔ یہ بظاہر استبدالِ ملک ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونا چاہئے جیسا کہ امام زفرؒ نے فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے، مگر حقیقت میں مرہون کا عین امانت ہے اور اسکی مالیت مضمون ہے، جب اصل مالیت مضمون ہے تو مجانست متحقق ہے اور تبدیلی کا قول غلط ہے۔

مبیع کے بدلہ میں رہن باطل ہے اس لئے کہ مبیع مضمون بعینہ نہیں ہوتی اور جو چیز مضمون بعینہ نہ ہو اس کے عوض رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ پس اگر مبیع کے بدلہ میں رہن رکھا گیا اور مرہونہ چیز مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے تو مشتری پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی کیونکہ یہ مرہون نہیں ہے، اسکی حقیقت صرف یہ ہے کہ مشتری نے بائع کی اجازت سے اسکے سامان پر قبضہ کیا ہے تو یہ سامان مشتری کے پاس امانت ہوا اور امانت کی ضمان لازم نہیں ہوتی۔ بیع صرف کے ثمن کے بدلہ میں رہن رکھا گیا یا بیع سلم کے رأس المال کے عوض رہن رکھا گیا اور مجلسِ عقد میں ہی وہ رہن ہلاک ہو جائے تو بیع صرف و بیع سلم کو تام سمجھا جائے گا اور مرتہن کے قبضہ میں رہن کی ہلاکت کی وجہ سے حکماً مرتہن اپنا قرض وصول کر چکا ہے اور اگر رہن کی ہلاکت سے پہلے مجلس ختم ہو گئی اور وہ دونوں جدا ہو گئے تو دونوں عقد باطل ہو جائیں گے، کیونکہ ثمن ورأس المال پر نہ حقیقۃً قبضہ ہوا ہے اور نہ حکماً ہوا ہے۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۰ھ

الشق الاوّل ......وَمُوْجَبُ ذٰلِكَ عَلَى الْقَوْلَيْنِ اَلْاِثْمُ ...... وَالْكَفَّارَةُ ...... وَالدِّيَةُ مُغَلَّظَةٌ عَلَى الْعَاقِلَةِ ......

وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ دِيَةٍ وَجَبَتْ بِالْقَتْلِ اِبْتِدَاءً لَا بِمَعْنًى يَحْدُثُ مِنْ بَعْدُ فَهِيَ عَلَى الْعَاقِلَةِ اِعْتِبَارًا بِالْخَطَاءِ...... وَيَتَعَلَّقُ بِهٖ حِرْمَانُ الْمِيْرَاثِ...... قَالَ: وَالْخَطَاءُ عَلٰى نَوْعَيْنِ...... الخ

ترجم العبارة بعد تشكيلها ۔ اشرح العبارة شرحًا وافيًا ۔ اكتب اختلاف الأئمة الكرام فی تعریف شبه العمد مع الامثلة مع توضيح الخطاء بنوعيه ومثّل لكل نوع منهما مثالًا۔

﴿خلاصۂ سوال﴾...... اس سوال میں درج ذیل امور کا حل مطلوب ہے: ① عبارت پر اعراب ② عبارت کا ترجمہ ③ قتل شبہ عمد کی تعریف میں اختلاف ④ عبارت کی تشریح ⑤ قتل خطاء کی اقسام کی وضاحت۔

جواب ...... ① **عبارت پر اعراب:۔** کما مرّ فی السول آنفا۔

② **عبارت کا ترجمہ:۔** شبہ عمد کا موجب دونوں اقوال کے مطابق گناہ اور کفارہ ہے اور عاقلہ پر دیتِ مغلظہ ہے۔ اس کے متعلق قاعدہ کلیہ وضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ دیت جو قتل کی وجہ سے ابتداءً لازم ہو، نہ کہ وہ دیت جو بعد میں کسی وجہ سے لازم ہو، وہ دیت عاقلہ پر ہوگی قتلِ خطاء پر قیاس کرتے ہوئے۔ اور شبہ عمد سے متعلق ہوتا ہے میراث سے محروم ہونا۔ اور قتلِ خطاء کی دو اقسام ہیں......

③ **عبارت کی تشریح:۔** مصنفؒ قتلِ شبہ عمد کا حکم بیان کررہے ہیں کہ دونوں اقوال کے مطابق اس کا موجب وحکم گناہ، کفارہ اور عاقلہ پر دیتِ مغلظہ ہے۔ گناہ اسلئے ہے کہ اس نے بالقصد مارا ہے جس سے قتل واقع ہوا ہے۔ کفارہ اسلئے لازم ہے کہ یہ قتلِ خطاء کے مشابہ ہے۔ عاقلہ پر دیتِ مغلظہ اسلئے لازم ہے کہ ہر وہ دیت جو قتل کی وجہ سے ابتداءً یعنی براہِ راست قتل کی وجہ سے لازم ہو قتلِ خطاء پر قیاس کرتے ہوئے وہ دیت عاقلہ پر ہو لازم ہوتی ہے، البتہ وہ دیت جو بعد میں صلح وغیرہ کی وجہ سے لازم ہو وہ خود قاتل پر لازم ہوتی ہے۔ اور یہاں براہِ راست قتل کی وجہ سے ہی دیت لازم ہے۔ نیز قتلِ عمد کی طرح اس قتلِ شبہ عمد میں بھی قاتل اپنے مورث کی میراث سے محروم ہوگا، اسے میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا۔

④ **قتلِ شبہ عمد کی تعریف میں اختلاف:۔** امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب قاتل قصداً مارے اور ایسی چیز سے مارے جو ہتھیار شمار نہیں ہوتی تو یہ شبہ عمد ہے، خواہ اس چیز سے عموماً موت واقع ہو جاتی ہو جیسے لاٹھی، چھڑی، پتھر، قینچی وغیرہ۔

صاحبین وامام شافعیؒ کے نزدیک جس چیز کے مارنے سے عموماً قتل نہ کیا جاتا ہو اس سے مارنا شبہ عمد ہوگا۔ اگر اسکے استعمال سے موت واقع ہو جاتی ہو تو اس سے مارنا قتلِ عمد ہوگا، لہٰذا لاٹھی و بھاری پتھر سے مارنا قتلِ عمد ہی ہوگا۔

⑤ **قتلِ خطاء کی اقسام کی وضاحت:۔** قتلِ خطاء کی دو اقسام ہیں: ① خطاء فی القصد یعنی ارادہ میں غلطی ہوگئی کہ شکار سمجھ کر تیر مارا مگر وہ انسان تھا، یا حربی سمجھ کر تیر مارا مگر وہ مسلمان تھا۔ ② خطاء فی الفعل یعنی فعل میں غلطی ہوگئی کہ شکار کو تیر مارا مگر وہ غلطی سے کسی انسان کو لگ گیا، یا حربی کو تیر مارا مگر وہ غلطی سے کسی مسلمان کو لگ گیا۔

الشق الثانی ...... وَاِنْ اَوْصٰى لِاَحَدِهِمَا بِجَمِيْعِ مَالِهٖ وَلِاٰخَرَ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا عَلٰى اَرْبَعَةِ اَسْهُمٍ عِنْدَهُمَا وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ اَلثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَلَا يَضْرِبُ اَبُوْحَنِيْفَةَ لِلْمُوْصٰى لَهٗ مَازَادَ عَلَى الثُّلُثِ اِلَّا فِي الْمُحَابَاةِ وَالسِّعَايَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ۔ (اشرف الہدایہ ج۱۶ ص۱۰۲)

شكّل العبارة ثم ترجمها ۔ وضّح خلاف الصاحبين والامام بالدلائل ۔ اشرحقول الامام القدوری : ولايضرب ابوحنيفة للموصى له......؟ اكتب صورة المحاباة والسعاية والدراهم المرسلة ۔

جواب ...... مکمل جواب کما مرّ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱٤۳۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان عالیشان

جو شخص مندرجہ بالا کلمات دن میں سو مرتبہ پڑھے گا۔ اس دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ تمام انسانوں سے افضل ہو گا سوائے اسکے جو انہی کلمات کو سو مرتبہ سے زائد پڑھے گا

(بخاری و مسلم)

ضروری اعلان برائے طلبہ

عزیز طلبہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ حضرات خیر وعافیت کے ساتھ آخری اسباق کی پڑھائی اور سالانہ امتحان کی تیاری میں مصروف ہوں گے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو دنیا وآخرت کے تمام امتحانات میں امتیازی درجات کے ساتھ کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

جیسا کہ آپ حضرات کے علم میں ہے کہ گزشتہ برس کا سالانہ امتحان کرونا کی عالمی وبا کی وجہ سے کافی متاثر ہوا، جس کی وجہ سے گزشتہ امتحانات میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی جانب سے کافی سہولت اور نرمی کا مظاہرہ بھی کیا گیا، اور یہ سال مکمل طور پر کرونا سے متاثر رہا اور تعلیمی اداروں کے کھلے رہنے سے متعلق ابھی تک چہ مہ گوئیاں جاری ہیں۔ اس کشمکش کی کیفیت میں رواں سال پرچہ جات کے حل میں بھی خلل واقع ہوا، جس کی وجہ سے اس سال صرف سوالیہ پرچہ جات شامل کیے گئے ہیں، ان کے جوابات شامل نہیں کیے گئے۔ امید ہے کہ آپ احباب اپنی کتابوں اور گزشتہ سالوں کے پرچہ جات کو سامنے رکھتے ہوئے ازخود ان کے حل کی کوشش فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین

والسلام محمد یامین

﴿الورقة الاولى: فى اصول التفسير و اصول الحديث و العقيدة﴾

﴿السوال الاوّل﴾ (تبيان) ١٤٤١ھ

الشق الاوّل ......و سبب نزول هذه الآيات الكريمة على ما ذكره المفسرون هو: ان بعض الصحابة صلوا العشاء، ثم شربوا الخمر، و جلسو يتسامرون، فلعبت الخمر على رؤوسهم، و كان فيهم حمزة بن عبد المطلب ــ عم النبى ﷺ ــ و كانت جارية صغيرة تنشدهم و تغنيهم، فقالت ضمن نشيدها:

؎ الا يا حمز للشرف النواء .:. و هن معقلات بالفناء تهيج حمزة على النوق الابل التى كانت بجوار الدار، فقام حمزة فجب اسنمة ناقتى على، و بقر خاصرتيهما.

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ خط کشیدہ کلمات کی لغوی وصرفی تحقیق کریں۔ قرآن کریم میں تحریم خمر کے چار مراحل ذکر کیے گئے ہیں، قرآنی آیات کی روشنی میں وہ چاروں مراحل مختصراً ذکر کریں۔

الشق الثانى ......و مما تقدم يتبين لنا: ان التفسير الاشارى له ما يؤيده من الشرع، و لكنه قد دخلت عليه بعض التأويلات الفاسدة، و سلك فيه بعض الناس مسلك الباطنية، و لم يراعوا الشروط التى وضعها العلماء، و اخذوا يخبطون فيه خبط عشواء، بل اصبح كل من هب و دب يتطاول على كتاب الله تعالى.

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ الفاظ مخطوطہ کے معانی بیان کرنے کے بعد تفسیر اشاری کی شرائط ذکر کریں۔ تفسیر اشاری کا معنی، تفسیر اشاری وتفسیر باطنی میں فرق اور تفسیر اشاری کے جواز کے دو دلائل مختصراً ذکر کریں۔

﴿السوال الثانى﴾ (شرح نخبة الفكر) ١٤٤١ھ

الشق الاوّل ......و تمسك كل قائل بدليل جاء فيه ذكر ذلك العدد، فافاد العلم، و ليس بلازم ان يطرد فى غيره لاحتمال الاختصاص، فاذا ورد الخبر كذلك و انضاف اليه ان يستوى الامر فيه فى الكثرة المذكورة من ابتدائه الى انتهائه،... و ان يكون مستند انتهاء الامر المشاهد او المسموع ...الخ

خط کشیدہ جملے پر اعراب لگا کر مکمل عبارت کا ترجمہ کریں۔ مصنف کے جملے "فاذا ورد الخبر كذلك" میں "كذلك" اور "ان يستوى الامر فيه" میں "استواء" کی مراد واضح کریں۔ متواتر کی تعریف اور حدیث میں سے اس کی ایک مثال ذکر کریں۔

جواب......کما مر بعضہ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۳۰ھ

الشق الثانی......فالقسم الاول، و ھو الطعن بکذب الراوی فی الحدیث النبوی، ھو "الموضوع" و الحکم علیہ بالوضع انما ھو بطریق الظن الغالب لا بالقطع، اذ قد یصدق الکذوب، لکن لاھل العلم بالحدیث ملکۃ قویۃ یمیزون بھا ذلک، و انما یقوم بذلک منھم من یکون ابلاغہ تاما، و ذھنہ ثاقبا، و فھمہ قویا، و معرفتہ بالقرائن الدالۃ علی ذلک متمکنۃ ۔

خط کشیدہ جملے پر اعراب لگا کر مکمل عبارت کا ترجمہ کریں۔ مصنف کی مراد واضح کریں۔ حدیث موضوع کی تعریف، اس کی روایت کا حکم اور اس کی پہچان کا طریقہ لکھیں۔ حدیث ضعیف کی تعریف اور اس پر عمل کرنے کا حکم لکھیں۔

جواب......کما مر بعضہ فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۳۴ھ

﴿السوال الثالث﴾ (آئینہ قادیانیت) ۱۴۴۱ھ

الشق الاول......حبیب بن زید الانصاری الخزرجی ھو الذی ارسلہ رسول اللہ ﷺ الی مسیلمۃ الکذاب ۔ صاحب الیمامۃ ۔ فکان مسیلمۃ اذا قال لہ اتشھد ان محمدا رسول اللہ؟ قال: نعم! و اذا قال: اتشھد انی رسول اللہ؟ قال: انا اصم، لا اسمع! ففعل ذلک مرارا فقطعہ مسیلمۃ عضوا عضوا، فمات شھیدا۔

عبارت کا ایسا ترجمہ کریں کہ حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کا قصہ واضح ہو جائے۔ مسیلمہ کذاب کا تعارف لکھیں۔ مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد کا اعلان کس نے کیا؟ اس معرکے میں شہید ہونے والے صحابہ و تابعین کی تعداد کتنی تھی؟ ان میں حفاظ کتنے تھے؟ حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ (تابعی) کا واقعہ مختصراً ذکر کریں جنہیں آگ میں ڈالا گیا تھا؟

الشق الثانی......"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" فرقہ قادیانیہ کا کہنا ہے کہ: "خلو" موت کے معنی میں ہے، "من قبلہ" رسل کی صفت ہے اور "الرسل" میں لام استغراق ہے۔ اس آیت سے وہ حضرت عیسی علیہ السلام کی وفات پر استدلال کرتے ہیں۔ اس دلیل کا شافی جواب دیں۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی حیات و نزول سے متعلق اہل اسلام کا کیا عقیدہ ہے؟ کیا اس عقیدے پر امت کا اجماع ہے؟

جواب......کما مر بعضہ فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۷ و فی الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۳۸

﴿الورقۃ الثانیۃ: تفسیر البیضاوی﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاول......آمین اسم الفعل الذی ھو استجب، و عن ابن عباس رضی اللہ عنھما سالت رسول اللہ ﷺ عن معناہ، فقال: افعل، بنی علی الفتح کـ این، لالتقاء السلکنین، و جاء مد الفہ و قصرھا قال: ؎ و یرحم اللہ عبدا قال آمینا۔ و قال آخر: ؎ آمین فزاد اللہ ما بیننا ابدا۔

عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے دونوں اشعار مکمل کریں اور محل استشہاد کی تعیین مت بھولیں۔ آمین کے قرآن مجید کا حصہ ہونے کی وضاحت کریں، نیز سورۃ الفاتحہ کے آخر میں آمین کہنے اور قرآن مجید میں لکھنے کا حکم ذکر کریں۔

الشق الثانی......۱۔ (ھدی للمتقین)... و المتقی اسم فاعل من قولھم: وقاہ فاتقی، و الوقایۃ: فرط الصیانۃ، و ھو فی عرف الشرع: اسم لمن یقی نفسہ مما یضرہ فی الآخرۃ، و لہ ثلاث مراتب، و قد فسر قولہ: "ھدی للمتقین" علی الاوجہ الثلاثۃ. ۲۔ (الذین یؤمنون بالغیب) اما موصول بالمتقین

علی انه صفة مجرورة مقيدة له ان فسر التقوی بترك ما لا ينبغی مترتبة عليه ترتب التحلية على التخلية، و التصوير على التصقيل، او موضحة ان فسر... الخ ۳۔ و الايمان فی اللغة... و اما فی الشرع... الخ

متقی کالغوی وشرعی معنی ذکر کرنے کے بعد قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے مطابق تقوی کے مراتب تحریر کریں۔ "هدی للمتقین" کی تینوں وجھوں سے تفسیر کریں۔ "الذين يؤمنون بالغيب" کے صفت مقیدہ یا موضحہ ہونے کی وضاحت کریں۔ ایمان کالغوی و شرعی معنی صاحب کتاب کے مطابق تحریر کریں۔

جواب......كما مر بعضه فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۲ و فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۴۰

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاول...... ۱۔ (يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) ۔ و الخدع: ان توهم غيرك خلاف ما تخفيه من المكروه لتزله عما هو بصدده، من قولهم: خدع الضب اذا توارى فی جحره، و ضب خادع و خدع اذا اوهم الحارش اقباله عليه، ثم خرج من باب آخر و أصله: الاخفاء، و منه المخدع للخزانة، و الاخدعان لعرقين خفيين فی العنق۔ ۲۔ (و لهم عذاب اليم) ای مؤلم يقال الم فهو اليم كوجع فهو وجيع وصف به العذاب للمبالغة كقوله: ؎ تحية بينهم ضرب وجيع على طريقة قولهم: جد جده.

پہلی عبارت کا ترجمہ کریں۔ خداع ومخادعہ کی نسبت اللہ رب العزت کی جانب کرنا کیسے درست ہے؟ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے مطابق مکمل وضاحت کریں۔ دوسری عبارت پر اعراب لگا کر مصنف رحمہ اللہ کی غرض بیان کریں جس سے واضح ہو جائے کہ الم کی نسبت عذاب کی جانب مجاز ہے۔

جواب......كما مر بعضه فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۴

الشق الثانی......و الحكمة فی تقطيع القرآن سورا: افراد الانواع، و تلاحق الاشكال، و تجاوب النظم، و تنشيط القارى، و تسهيل الحفظ، و الترغيب فيه، فانه اذا ختم سورة نفس ذلك منه كالمسافر اذا علم انه قطع ميلا او طوى بريدا و الحافظ متى حذقها اعتقد انه اخذ من القرآن حظا تاما، و فاز بطائفة محدودة مستقلة بنفسها، فعظم ذلك عنده و ابتهج به

خط کشیدہ عبارت پر اعراب لگا کر مکمل عبارت کا ترجمہ کریں۔ سورۃ کی تعریف اور اس کا لغوی ماخذ ذکر کریں۔ درج ذیل شعر پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں، اور محل استشہاد کی تعیین کریں: ؎ و لرهط حراب و قد سورة .:. فی المجد ليس غرابها بمطار

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاول......(ان الله لايستحيى) و الحياء: انقباض النفس عن القبيح مخافة الذم، و هو الوسط بين الوقاحة التی هی الجراة على القبائح و عدم المبالاة بها، و الخجل الذی هو انحصار النفس عن الفعل مطلقا، و اشتقاقه من الحياة... و اذا وصف به البارى تعالى فالمراد به الترك اللازم للانقباض كما المراد من رحبته و غضبه اصابة المعروف و المكروه اللازمين لمينيهما و نظيره قول من يصف ابلا: ؎ اذا ما استحين الماء يعرض نفسه .:. كرعن بسبت فی اناء من الورد

حیا کی تعریف کر کے حیا، وقاحہ اور خجل میں فرق بیان کریں۔ اگر حیا کی نسبت باری تعالیٰ کی جانب ہو تو اس سے کیا مراد ہوتا ہے؟ شعر پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور محل استشہاد کی تعیین کریں۔

جواب......كما مر بعضه فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۸

الشق الثانی ......《اتأمرون الناس بالبر و تنسون انفسکم و انتم تتلون الکتب افلا تعقلون》: البر: التوسع فی الخیر من البر و هو الفضاء الواسع یتناول کل خیر و لذلک قیل: البر ثلاثة: ... و العقل فی الاصل: ...الخ
"بر" کی تعریف، ماخذ اور تینوں قسمیں ذکر کریں۔ "و تنسون انفسکم" میں استفہام انکاری ہے یا کیف؟ عقل کا حقیقی معنی کیا ہے؟ اور اس سے ادراک انسانی کو کیوں موسوم کیا گیا؟ آیت کی مراد واضح کریں۔ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے بتلائیں کہ کیا تارکِ عمل کو وعظ و تبلیغ سے روکا جائے گا؟ "و المراد بها: حث الواعظ علی تزکیة النفس، و الاقبال علیها بالتکمیل، لیقوم فیقیم، لامنع الفاسق عن الوعظ، فان الاخلال باحد الامرین المامور بهما لا یوجب الاخلال بالآخر"۔

《الورقة الثالثة: مشکوة ج:۱》

《السوال الاول》 ۱۴۴۱ھ

الشق الاول ......عن انس قال: قال رسول الله ﷺ: لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده و الناس اجمعین۔ متفق علیه۔
حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف تحریر کریں۔ متفق علیہ کا مطلب بیان کریں۔ محبت کا لغوی معنی اور اس کی اقسام ذکر کریں۔ محبت رسول ﷺ کو ایمان کا معیار کیسے قرار دیا گیا؟ جب کہ انسان کو طبعی طور پر والدین اور اولاد سے محبت ہوتی ہے، تو محبت رسول ﷺ کا کیا معنی مراد ہو سکتا ہے؟

الشق الثانی ......عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ انزل القرآن علی سبعة احرف، لکل آیة منها ظهر وبطن، ولکل حد مطلع۔ رواه فی شرح السنة۔
"انزال علی سبعة احرف" سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ تشابہات میں سے ہے؟ سبعہ احرف کے مصداق میں تین اقوال ذکر کر کے قول راجح متعین کریں۔ "لکل آیة منها ظهر وبطن ولکل حد مطلع" کی مکمل تشریح کر کے ظهر و بطن میں تمام توجیہات ذکر کریں۔ شرح السنۃ سے کیا مراد ہے؟ اس کے مصنف کون ہیں؟ مشکوۃ اور مصابیح کے مصنفین کے نام ذکر کریں۔

جواب ......کما مر بعضه فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۲ و فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۳

《السوال الثانی》 ۱۴۴۱ھ

الشق الاول ......عن ابن عباس قال: امر رسول الله ﷺ بقتلی احد ان ینزع عنهم الحدید و الجلود، و ان یدفنوا بدمائهم، و ثیابهم۔ رواه ابو داؤد و ابن ماجه۔
حدیث کا ترجمہ کریں۔ معرکہ احد کب پیش آیا اور اس میں کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے؟ کیا شہید کو غسل دیا جائے گا؟ اور کیا اس میں علماء کا اختلاف بھی ہے؟ اگر کوئی حالت جنابت میں شہید ہوا ہو تب غسل دیا جائے گا یا نہیں؟ اور کیا شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟ ائمہ کا اختلاف ذکر کر کے احناف کے دلائل بھی ذکر کریں۔

الشق الثانی ...... ۱۔ عن انس قال: قال رسول الله ﷺ: المعتدی فی الصدقة کمانعها۔ رواه ابو داؤد و الترمذی۔ ۲۔ عن عائشة قالت: دخل رسول الله ﷺ علی ضباعة بنت الزبیر، فقال لها: لعلك اردت الحج قالت: و الله ما اجدنی الا وجعة، فقال لها: حجی و اشترطی، و قولی: اللهم محلی حیث حبستنی۔
زکاۃ کا لغوی و شرعی معنی ذکر کریں۔ زکاۃ کا حکم کب نازل ہوا؟ ہجرت سے پہلے یا ہجرت کے بعد؟ "المعتدی فی

الصدقة" سے کیا مراد ہے؟ اور معتدی کو مانع زکاۃ سے کیوں تشبیہ دی گئی؟ دوسری حدیث پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ کیا حج میں شرط لگانا جائز ہے؟ احناف کا مذہب بیان کریں، نیز حدیث میں مذکور لفظ "اشتراط" کا کیا معنی ہے؟

جواب......کما مر بعضه فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۴

السوال الثالث ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل......۱۔ عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: من مات و علیه صوم صام عنه ولیه۔ ۲۔ عن ابی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ: لا یصوم احدکم یوم الجمعة الا ان یصوم قبله او یصوم بعده۔

صوم کا لغوی و اصطلاحی معنی ذکر کریں۔ روزے کب فرض ہوئے؟ نیابت فی الصوم کے مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف، احناف کے دلائل اور حدیث مذکور کی تاویل ذکر کریں۔ کیا جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے؟ حدیث میں مذکور ممانعت کی حکمت ذکر کریں۔

جواب......کما مر بعضه فی الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۳۵ و فی الشق الثانی من السوال الاول ۱۴۳۸

الشق الثانی......۱۔ عن ابی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ: ایما رجل افلس فادرك رجل ماله بعینه فهو احق به من غیره۔ متفق علیه۔ ۲۔ عن جابر قال: قضی النبی ﷺ بالشفعة فی کل مال یقسم، فاذا وقعت الحدود و صرفت الطرق فلا شفعة۔

دونوں حدیثوں کا ترجمہ کر کے پہلی حدیث کی ایسی وضاحت کریں کہ اس سے مستنبط مسئلہ ائمہ کے اقوال کی روشنی میں واضح ہو جائے۔ دوسری حدیث کی ایسی تشریح کریں جس سے درج ذیل باتیں واضح ہو جائیں: ۱۔ منقولی و غیر منقولی اشیاء میں شفعہ کا حکم ۲۔ اس میں جمہور کا مذہب ۳۔ کیا حدیث مذکور مذہب جمہور پر دلالت کرتی ہے؟ اگر کرتی ہے تو کس طرح؟

الورقة الرابعة: مشکوۃ ج:۲

السوال الاوّل ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل......عن ابی سلمة قال: سالت عائشة: کم کان صداق النبی ﷺ؟ قالت: کان صداقه لازواجه ثنتی عشرة اوقیة ونش، قالت: اتدری ما النش؟ قلت: لا، قالت: ...الخ و عن عمر بن الخطاب قال: الا لا تغالوا صدقة النساء، فانها لو کانت مکرمة فی الدنیا و تقوی عند الله لکان اولاکم بها نبی الله ﷺ، ما علمت رسول الله ﷺ نکح شیئا من نساءه و لا انکح شیئا من بناته علی اکثر من اثنتی عشرة اوقیة۔ رواه احمد و الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجه و الدارمی۔

احادیث کا ترجمہ کریں۔ اوقیہ اور نش کی مقدار لکھیں۔ حضرت ام حبیبہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا مہر ذکر کریں۔ مہر کی کم از کم مقدار میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اختلاف مدلل لکھیں۔

جواب......کما مر بعضه فی الشق الاول من السوال الثانی ۱۴۳۳

الشق الثانی......و عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: لا تجوز شهادة خائن و لا خائنة و لا مجلود حدا و لا ذی غمر علی اخیه و لا ظنین فی ولاء و لا قرابة و لا القانع مع اهل البیت رواه الترمذی۔ و عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عن النبی ﷺ قال: لا تجوز شهادة خائن و لا خائنة و لا زان و لا زانیة و لا ذی غمر علی اخیه، و رد شهادة القانع لاهل البیت۔ رواه ابو داؤد۔ و عن ابی هریرة عن رسول الله ﷺ قال: لا تجوز شهادة بدوی علی صاحب قریة۔ رواه ابو داؤد۔

احادیث کا ترجمہ کریں۔ خط کشیدہ جملے کی تشریح کریں۔ "عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده" میں ضمائر کے مرجع میں محدثین کا اختلاف اور قول راجح ذکر کریں۔ شہری کے خلاف دیہاتی کی گواہی کی قبولیت میں ائمہ کا اختلاف مدلل لکھیں۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاول ......عن سمرة قال: قال رسول الله ﷺ: الغلام مرتهن بعقيقته تذبح عنه يوم السابع، و يسمى، و يحلق رأسه... و في رواية لاحمد و ابی داؤد: "و يدمى" مكان "و يسمى" و قال ابو داؤد: ويسمى اصح.

مکمل عبارت کا ترجمہ کریں۔ عقیقہ کی تعریف کریں۔ عبارات مخطوطہ کی تشریح کریں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جانب عقیقہ کی عدم سنیت کا قول منسوب ہے، دیگر ائمہ کی آراء کی روشنی میں اس نسبت کی وضاحت کریں۔

جواب ......كما مر بعضه فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۹

الشق الثانی ......عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال: من رأنی فی المنام فقد رأنی، فان الشيطان لا يتمثل فی صورتی، و عن ابی رزين العقيلی قال: قال رسول الله ﷺ: رؤيا المؤمن جزء من ستة و اربعين جزءا من النبوة، و هی علی رجل طائر مالم يحدث بها، فاذا حدث بها وقعت. و احسبه قال: لا تحدث الا حبيبا او لبيبا.

احادیث کا ترجمہ کریں۔ کیا شیطان کے لیے خواب اللہ رب العزت کی صورت میں متمثل ہونا ممکن ہے؟ اگر ممکن ہے تو نبی کریم ﷺ کی صورت میں متمثل ہونا کیوں ممکن نہیں؟ خواب کے نبوت کا حصہ ہونے اور "فقد رأنی" کی مراد واضح کریں۔ مخطوطہ عبارت کی تشریح کریں۔

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاول ......عن حذيفة قال: قلت: يا رسول الله ﷺ! ايكون بعد هذا الخير شر، كما كان قبله شر؟ قال: نعم! قلت: فما العصمة؟ قال: السيف، قلت: و هل بعد السيف بقية؟ قال: نعم! تكون امارة على اقذاء و هدنة على دخن، قلت: ثم ما ذا؟ قال: ثم ينشأ دعاة الضلال، فان كان لله فی الارض خليفة جلد ظهرك و اخذ مالك فاطعه، و الا فمت و انت عاض على جذل شجرة، قلت: ثم ما ذا؟ قال: ثم يخرج الدجال بعد ذلك، معه نهر و نار، فمن وقع فی ناره وجب اجره و حط وزره، و من وقع فی نهره وجب وزره و حط اجره، قال: قلت: ثم ما ذا؟ قال ثم ينتج المهر، فلا يركب حتى تقوم الساعة.

حدیث مبارک کا ترجمہ و تشریح کریں۔ کلمات مخطوطہ کی لغوی و صرفی تحقیق کریں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف ذکر کریں۔

الشق الثانی ......عن حذيفة عن النبی ﷺ قال: فی اصحابی، و فی رواية: قال: فی امتی اثنا عشر منافقا لا يدخلون الجنة، و لا يجدون ريحها حتى يلج الجمل فی سم الخياط، ثمانية منهم تكفيهم الدبيلة: سراج من نار، يظهر فی اكتافهم حتى تنجم فی صدورهم. رواه مسلم.

حدیث کا ترجمہ کریں۔ خط کشیدہ کلمات کی لغوی و صرفی تحقیق کریں۔ منافقین کے متعلق آپ ﷺ کا قول "فی اصحابی" کیسے درست ہو سکتا ہے جب کہ درحقیقت وہ آپ ﷺ کے اصحاب میں سے نہیں ہیں؟ یہ حدیث ایک خاص واقعہ میں وارد ہوئی، اس واقعہ کی وضاحت کریں تاکہ مذکورہ منافقین، ان کا جرم اور ان کی موت کی تعیین ہو جائے۔

﴿الورقة الخامسة: الهداية ج:۳﴾

﴿السوال الاول﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاول ......و من اشترى شيئا و شرط الخيار لغيره، فايهما اجاز جاز، و ايهما نقض انتقض، و اصل هذا ان اشتراط الخيار لغيره جائز استحسانا، و فی القياس لا يجوز، و هو قول زفر.

عبارت کی تشریح کر کے امام زفر رحمہ اللہ کی دلیل اور اس کا جواب وضاحت سے لکھیں۔ اگر ان میں سے ایک نے جائز قرار دیا اور دوسرے نے فسخ کر دیا، یا دونوں کلام ایک ساتھ ادا ہوئے تو کیا حکم ہے؟ مصنف کے اس قول کی تشریح کریں: "وجه الاول: ان تصرف العاقد اقوى... وجه الثانی: ان الفسخ اقوى"

الشق الثانی......الاقالة جائزة فی البیع بمثل الثمن الاول... فان شرط اکثر منه او اقل فالشرط باطل، و یرد مثل الثمن الاول، و الاصل ان الاقالة... الخ

عبارت کی تشریح کریں۔ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ کا ذکر کردہ اصول وضاحت سے ذکر کریں۔ مذکورہ مسئلہ میں ائمہ احناف کے مذاہب مع دلائل ذکر کریں۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاول......قال ابو حنیفة رحمه الله: شاهد الزور اشهره فی السوق، و لا اعزره. و قالا: نوجعه ضربا، و نحبسه، و هو قول الشافعی.

عبارت کا ترجمہ کر کے مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل ذکر کریں۔ تشہیر اور تعزیر کی تعریف کریں۔ تعزیر وحبس کی مقدار ذکر کریں۔

الشق الثانی......و اذا صحت المضاربة مطلقة جاز للمضارب ان یبیع، و یشتری، و یوکل، و یسافر، و یبضع، و یودع، لاطلاق العقد، و المقصود منه الاسترباح، و لا یحصل الا بالتجارة، فینتظم العقد صنوف التجارة.

مضاربہ کا لغوی وشرعی معنی اور حکم لکھیں۔ عبارت کا ترجمہ اور تشریح کر کے ابضاع کا معنی لکھیں۔ کیا مضارب کسی اور کو مضارب بنا سکتا ہے؟

جواب......کما مر بعضه فی الشق الثانی من السوال الثانی ۱۴۳۹

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاول......قال ابوحنیفة رحمه الله: لا یحجر علی الحر العاقل البالغ السفیه، و تصرفه فی ماله جائز، و ان کان مبذرا مفسدا یتلف ماله فیما لا غرض له فیه و لا مصلحة، و قال ابویوسف و محمد۔ و هو قول الشافعی رحمهم الله۔: یحجر علی السفیه، و یمنع من التصرف فی ماله.

عبارت کا ترجمہ اور تشریح کریں۔ اسباب حجر ذکر کریں۔ "المتطبب الجاهل، المفتی الماجن، المکاری المفلس" کا معنی بیان کریں، اور بتلائیں کہ کیا ان پر حجر کیا جائے گا؟

جواب......کما مر بعضه فی الشق الثانی من السوال الثالث ۱۴۳۹

الشق الثانی......والغصب فیما ینقل و یحوّل، ان الغصب بحقیقته یتحقق فیه دون غیره، لانّ ازالة الید بالنقل، و اذا غصب عقارًا فهلك فی یده لم یضمنه

عبارت کی مکمل تشریح کریں۔ غصب کا لغوی وشرعی معنی لکھیں۔ مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل لکھیں۔

جواب......کما مر بعضه فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۲

﴿الورقة السادسة: الهداية ج:۴﴾

﴿السوال الاوّل﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاوّل......اِذَا بَنَی الْمُشْتَرِیُ اَوْ غَرَسَ ثُمَّ قُضِیَ لِلشَّفِیْعِ بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِالثَّمَنِ وَقِیْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَاِنْ شَاءَ کَلَّفَ الْمُشْتَرِیَ قَلْعَهٗ ۔ وَعَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ اَنَّهٗ لَا یُکَلِّفُ الْقَلْعَ.

عبارت کی واضح تشریح کریں۔ امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف رحمہما اللہ کے مابین اختلاف واضح بیان کریں۔ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قول بیان کریں۔

جواب ......کما مر بعضه فی الشق الاول من السوال الاول ۱۴۳۹

الشق الثانی ......و من نحر ناقة، او ذبح بقرة، فوجد فی بطنها جنینا میتا لم یوکل اشعر او لم یشعر، و هذا عند ابی حنیفة رحمه الله۔

عبارت کا ترجمہ کریں۔ مذکورہ مسئلہ میں ہمارے ائمہ کے اقوال مع دلائل ذکر کریں، نیز امام حسن بن زیاد اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اقوال ذکر کرنا مت بھولیں۔ مصنف کے قول "و من بلغ بالسکین النحاع" میں النخاع کا معنی اور اس کا حکم لکھیں۔

﴿السوال الثانی﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاول ......و عصیر العنب اذا طبخ حتی ذهب ثلثاه و بقی ثلثه حلال و ان اشتد، و هذا عند ابی حنیفة رحمه الله۔

عبارت کی تشریح کریں۔ انگور کے مذکورہ شیرے سے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف و دلائل ذکر کریں، نیز امام محمد رحمہ اللہ کا قول لکھنا مت بھولیں۔ شہد، انجیر اور گندم کی نبیذ کا حکم بیان کریں۔ اگر گندم کی نبیذ پینے والے کو نشہ ہو جائے تو کیا اس پر حد جاری ہوگی؟

جواب ......کما مر بعضه فی الشق الاول من السوال الثالث ۱۴۳۴

الشق الثانی ......و یجوز للاب ان یرهن بدین علیه عبدا لابنه الصغیر، لانه یملك الایداع، و هذا انظر فی حق الصبی منه، لان قیام المرتهن بحفظه ابلغ خیفة الغرامة۔

عبارت کا ترجمہ و تشریح کریں۔ مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ذکر کریں۔ اگر باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کا سامان اپنے پاس بطور رہن رکھ لیا یا اپنے دوسرے چھوٹے بیٹے کے لیے رہن رکھ لیا تو کیا حکم ہے؟

﴿السوال الثالث﴾ ۱۴۴۱ھ

الشق الاول ......و من له القصاص فی الطرف اذا استوفاه، ثم سری الی النفس و مات، یضمن دية النفس عند ابی حنیفة رحمه الله. و قالا: لایضمن، لانه استوفی حقه، و هو القطع، و لا یمکن التقیید بوصف السلامة، لما فیه من سد باب القصاص، اذ الاحتراز عن السرایة لیس فی وسعه، فصار کالامام و البزاغ و الحجام۔

عبارت کا ترجمہ اور واضح تشریح کریں۔ امام صاحب کی دلیل اور صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل کا جواب لکھیں۔ مصنف کے اس قول کی تشریح کریں: "و الواجبات لا تتقید بوصف السلامة"۔

الشق الثانی ......و من اوصی بوصایا من حقوق الله تعالی، قدمت الفرائض منها، قدمها الموصی او اخرها مثل الحج، و الزکاة، و الکفارات، لان الفریضة اهم من النافلة، و الظاهر منه البداءة بما هو الاهم۔

عبارت کی واضح تشریح کریں۔ اگر وصیتیں قوت میں برابر ہوں تو کیا حکم ہے؟ جس شخص نے حج کی وصیت کی اور راستے میں مر گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

637 **تمت بتوفیق الله تعالیٰ** 637